ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۴ ستمبر ۱۹۹۰ء - صفر المظفر ۱۴۱۱ھ عدد ۱

فہرست مضامین

رابطہ وترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ - ۳۲۴۴۶۸ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے زرسالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۲)

بڑا اہم مسئلہ تعلیم گاہوں کی ڈی نیشنلائزیشن کا ہے جس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ حکومت کے خزانے سے ایک بڑا بوجھ ہٹ جائے۔

اول تو یہ حقیقت منکشف رہنی چاہیے کہ یونیسکو کا رکن ہونے کی حیثیت سے پاکستان کو بجٹ کا ۴٪ حصہ لازماً تعلیم پر خرچ کرنا چاہیے۔ لیکن عملاً ۱ء۵٪ خرچ کیا جا رہا ہے۔ حکومت تعلیم کے معاملے میں حاتم کی قبر کو لاتیں بلکہ دولتیاں مار رہی ہے۔ غیر ملکی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ پاکستان تعلیم کے شعبے میں اپنے مقام سے ڈیڑھ سو سال پیچھے ہے۔

اس اصول کو ذرا اور پھیلایئے اور قوم سے کہیے کہ حکومت کا خزانہ اب ہسپتالوں اور میڈیکل سنٹروں کے مصارف برداشت نہیں کرے گا، مختلف کمپنیاں اپنے اپنے طور پر صحت و علاج کے ادارے قائم کریں اور آپس میں ماہر ڈاکٹروں، جدید ترین مشینوں، اعلیٰ عمارتوں، وافر سہولتوں کے معاملات میں مسابقت کر کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچیں، اور اپنے اخراجات مخیر حضرات کے چندوں کے علاوہ مریضوں سے معقول فیسیں لے کر اپنے کاروبار چلائیں۔ قوم سے یہ بھی کہیے کہ پولیس اور تھانوں اور جیل کا انتظام حکومت نہیں کر سکتی، اس کے لیے لوگ اپنی اپنی جگہ پولیس بھرتی کریں اور چھوٹے چھوٹے جیل بنالیں اور عدالتوں کے فیصلوں کے مطابق مجرموں پر سزائیں نافذ کریں۔ ڈاک، ٹیلی فون اور ریڈیو کے متعلق تو دنیا میں نظائر موجود ہیں۔ بہ آسانی یہ فرمان جاری کیا جا سکتا ہے کہ ان کاموں کو مختلف فرمیں اور سوسائٹیاں اور کارپوریشنیں چلائیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ حکومت

کے معیار سے بہتر کام کر سکیں گی۔ پھر کہیے کہ فوج اور دفاع کا بھاری خرچ بھی خزانہ نہیں اٹھا سکتا۔ قوم خود ٹھیکے پر ہر شہر اور علاقے میں چھاؤنیاں بنوائے اور سپاہی بھرتی کرے، ہوائی قوت فراہم کرے، بحری جہازوں کا بیڑہ تیار کرے۔ کچھ کام باہر کے ملکوں کو ٹھیکے کے تحت سونپ دیے جائیں کہ وہ کہیں کوئی چھاؤنی بنا دیں، کہیں فوج بھرتی کر دیں (چاہے باہر سے بھاڑے کے ٹٹو لے آئیں)، یا توپیں اور ٹینک فراہم کر دیں، یا جہاز مہیا کریں۔ لوگ دیہہ بہ دیہہ اور قصبہ بہ قصبہ اور شہر بہ شہر رضاکارانہ طور پر اپنے اوپر آمدنی اور جائیداد کے تناسب سے ایک رقم بطور سالانہ چندۂ دفاع معین کر لیں اور وہ سارے ملک سے جمع ہو کر مختلف ضرورتوں پر خرچ ہو۔

تا آنکہ حکومت کا کام صرف یہ رہ جائے کہ باہر سے قرض لے لے کر خوب تنخواہیں دے اور اپنے خاص لوگوں پر مُن برسائے اور ہارس ٹریڈنگ کرے۔

بلکہ شاید زیادہ اچھا یہ ہوتا کہ ورلڈ بینک اور ترقیاتی بنک ایسی تجویز بنا کے لاتے۔ کہ حکومت کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، سارے کام قوم خود انجمنوں، سوسائٹیوں، فرموں، ایسوسی ایشنوں اور کارپوریشنوں کے ذریعے کر سکتی ہے۔ قصہ کوتاہ گشت ورنہ درد سر بسیار بُود۔

حکومت کے علامتی تصور کے لیے بس ایک "وزیراعظم" کافی ہے۔

یہ تو تھا ایک اور طرح کا جواب۔

اب دوسری گذارش سُنیے۔ حکومت کے خزانے سے کسی بوجھ کے ہٹا دینے کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس کام کو ہونا ہے تو پھر وہی بار قوم پر پڑے گا۔ کیا قوم اور حکومت دو متغائر چیزیں ہیں۔ کیا حکومت کے خزانے کے مصارف بھی درحقیقت قوم ہی ادا نہیں کرتی۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ قوم سے حکومت کو ٹیکسوں اور فیسوں اور چونگیوں یا محصولوں کی شکل میں جو بھاری مقدارِ دولت وصول کرنی پڑتی ہے، اُسے لوگ خوشی سے ادا نہیں کرتے اور نہ صرف نظامِ تشخیص و ادائی میں خلل ڈالتے ہیں، بلکہ حکمران پارٹی کے لیے ان کی ایسی مخالفانہ رائے بن جاتی ہے کہ پارٹی اور اس کے وزرا و عمائد کو اپنے مستقبل

کے اقتدار کو بچانے کے لیے آمدنیاں کم کرنی پڑتی ہیں اور بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے باہر سے بار بار سودی قرضے لینے پڑے جن کا محض سود ادا کرنا وبال بن جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اب تک حکومتوں کے بارے میں عوام کا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ وزرا و عمائد خزانے کا روپیہ اپنے ماہانہ وظائف، مکانوں کے انتظامات، نئے فرنیچر کی فراہمی، ہر بار نئی مہنگی گاڑیوں کی خریداری، اندرونِ ملک سفری سہولتوں، بیرونِ ملک سیر و تفریح کے علاوہ معالجاتی مصارف، پھر اپنے لیے اور اپنے چہیتوں کے لیے ارزاں شرح سے پرتصرف، ٹھیکوں اور درآمدی برآمدی لائسنسوں اور صنعتیں لگانے کے لیے یا زرعی ترقی کے لیے بنکوں سے بھاری قرضوں کا حصول (اور پھر ان کی معافیاں) نیز انتخابات میں تھوڑے سے ہیر پھیر سے قومی پیسے اور ذرائع اور سرکاری ملازمین کا اپنے لیے استعمال ـــ یہ سارا کچھ دیکھنے کے بعد عوام کا حکومت سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اسے چلانے والے ان کی بیش کردہ کمائیوں کا ایک حصہ قومی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ ایک حصہ اپنی ذاتی ہوس اور اپنے چہیتوں کی آسائشوں اور ان کے مفاد پر اڑا دیں گے۔ اور ایسے کام اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اخبارات میں ان کی خبریں چھپتی ہیں، ان پر بیانات آتے ہیں۔ دستاویزات کے عکس شائع ہوتے ہیں، تقریروں میں مخالفین ایسے راز فاش کر دیتے ہیں۔

پس اصل کام یہ ہے کہ پاکستان میں ایسے لوگ حکومت کریں جو محض ایک متوسط تنخواہ اور متوسط اقامتی انتظام کو قبول کریں اور ٹھاٹھ باٹھ کے سلسلے ختم کریں، نیز قوم کی امانتی رقم کو اپنے مفاد یا اپنے چہیتوں کی منفعت کے لیے استعمال نہ کریں۔ پھر ٹیکسوں کی مقدار بھی کم رہے گی اور لوگ شوق سے ادا بھی کریں گے۔[1]

---

[1] اس سلسلے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ سامانِ آرائش و آسائش کی درآمد باہر سے بالکل بند کی جائے۔ نیز جو چیزیں یہاں مناسب معیار سے تیار ہوتی ہیں وہ دوسرے ممالک سے نہ منگوائی جائیں۔

اتنی گفتگو کرنے کے بعد میں یہ عرض کرتا ہوں کہ تعلیم کا مسئلہ چونکہ ہر قوم کے اپنے ہی سوچنے کا ہوتا ہے اور اسے بصورتِ نظام صرف وہ خود ہی چلا سکتی ہے اور اس کے تمام اداروں کو منظم و مربوط رکھنے کے لیے اسے حکومت ہی کے سر ذمہ داری ڈالنی پڑتی ہے، لہٰذا آپ کا ورلڈ بنک اور اس کے یہودی ماہرین تو رہے ایک طرف، اگر آپ کے بہت ہی مخلص اور چہیتے دوست بھی یہ مشورہ دیں کہ کتابِ تعلیم کے ورق ورق کو الگ کر کے، ہر حصے کو الگ الگ قوتوں کے سپرد کر دیا جائے جو مالی انتظامات بھی کریں اور نصابی اور تفریحی بھی، تو ایسا مشورہ بہ شکریہ واپس کر دیجیے۔

تعلیم کے مصارف سے حکومت کے نجات پانے کے بعد، سوچنے کی بات یہ ہے کہ مالی ذمہ داریاں کیسے پوری ہوں گی۔ تین طریقے ہیں:-

۱- غیر ملکی حکومتوں یا مشنریوں اور تبلیغی انجمنوں کے ذریعے حاصل ہونے والی رقوم ان میں ایک بنیادی سرمایہ وہ بھی شامل ہے جیسے کوئی بیرونی تنظیم یا شخص یہاں اپنا کوئی کالج یا یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے صرف کرتا ہے۔ اور یہ بھی اذنِ عام ہے کہ کوئی درس گاہ باہر کی جس یونیورسٹی سے چاہے تعلق جوڑے۔

اب خوب سوچ لیجیے کہ غیر ملکی پیسے سے جو ادارات چلیں گے وہ تعلیم سے اپنا مقصد حاصل کر کے پاکستانی قوم کی پلاسٹک سرجری نہیں کریں گے تو کیا کریں گے؟

بیرونی سرمایہ کے معنی ہیں، بیرونی اساتذہ و دیگر افراد کا داخلہ اور بیرونی نظریات اور مذہبیات کا داخلہ، نیز بیرونی جاسوسوں کی خوب صورت پیرائے میں موجودگی۔ اور پاکستان کی جڑوں تک تعلیم کی باریک نلکیوں سے زہریلا سیال پہنچانا، بیرونی تہذیب کو مسلط کرنا اور یہاں کے تہذیبی اقدار و شعائر کا صفایا کرنا۔ جو سکول چاہے اپنے ہاں کسی لڑکی کو سر نہ ڈھانپنے دے اور جو چاہے وہ سیکس کا مضمون مخلوط کلاسوں میں جس معیار تک چاہے پڑھائے۔

۲ ۔ ملک کے وڈیروں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں، کاروباری اکابر کے بڑے بڑے عطیات ۔

جو لوگ ایسے بڑے بڑے عطیات مسلسل دیں گے وہ کسی بھی درس گاہ پر، اس کے سربراہ یا پرنسپل پر، اس کے اساتذہ اور طلبہ پر پوری قوت سے اثر انداز ہوں گے ۔ ان کے بچوں کو داخلہ حاصل کرنے یا امتحانات پاس کرنے یا خاص ڈویژن حاصل کرتے میں کبھی کوئی دشواری نہ ہوگی ۔ ان کے لیے رکاوٹ کے ہر دروازے کا قفل روپے کی چابی سے کھلتا جائے گا ۔ اور ہماری آزاد تعلیم کے اداروں پر یہ لوگ بڑ کے درخت یا عشق پیچاں کی طرح چھا جائیں گے ۔ اس طرح آئندہ کی معاشی ترقی (کو الٹی) اعلیٰ ملازمتیں، عہدے، سیاسی لیڈری، بڑے بڑے کاروبار ہر چیز وڈیرہ ازم کی تحویل چلی جائیں گی ۔ غریبوں کے لیے سارے دروازے بند ہو جائیں گے، چاہے نیچے سے ان کے بچے بہت اچھی کوالیفکیشن لے کے آئے ہوں ۔

۴ ۔ طلبہ کو فیسوں کی شکل میں ہماری تعلیمی مصارف کا حصہ ادا کرنا ہوگا ۔ آرٹس کے طلبہ کو مصارف کا ۳۵٪ اور سائنس کے طلبہ کو ۴۵٪ ۔

لیجیے اب مارکیٹ لگ گئی ۔ تعلیم بوروں اور پیٹیوں میں بھری رکھی ہوگی اور جو طالب علم چاہے، آکر قیمت ادا کرے اور دو چار بورے یا پیٹیاں لے جائے، ورنہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائے ۔ یہ سیدھا سیدھا کاروباری معاملہ ہے ۔

نئی تعلیم گاہوں کی فیسیں ۵، ۵ ۔ ۶، ۶ سو روپے ہوں گی ۔ تعلیم کے دوسرے مصارف بھی ساتھ ملا لیجئے تو پھر یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ غریبوں کے لیے تو نام نہاد "ترقی" اور اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند ہو گئے ۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ تجارتی بنیادوں پر چلنے والے اسکول جن کی روح کاروبار اور انڈسٹری کی ہوگی، وہ غریب بچوں کو داخل کر کے مسابقت میں پیچھے رہ جائیں ۔

یہ ساری اسکیم غریب مار اسکیم ہے[۱]

---

[۱] دیکھیے کہ گورنمنٹ کالج کی فیس گیارھویں جماعت کی آرٹس کے طلبہ کے لیے ۔/۱۳۱۵ روپے (۶ ماہ کے لیے) سائنس طلبہ کے لیے ۔/۱۴۵۵ روپے ۔

ایک گذارش اور بھی -

جہاں تک یونیورسٹیوں اور کالجوں اور درس گاہوں کے دروبست کو چلانے کا تعلق ہے - وہی سی، پرنسپل، اساتذہ اور طلبہ سب کے سب آزادی کی آخری حدود پیلے ہی پھلانگے ہوئے ہیں - داخلے ہوں، نظم و نسق کا معاملہ ہو، تدریسی لیکچر ہوں، تحقیقی کاموں کے عنوان اور خطوط معین کرنے کا مسئلہ ہو، ساری چیزیں ہر تعلیم گاہ کے حدود ہی میں طے ہوتی ہیں - جہاں سوشلسٹ اساتذہ جمع ہیں وہ ہر موضوع پر، خصوصاً زبان و ادب پر، سوشیالوجی پر، معاشیات اور نفسیات پر تعلیمی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے سوشلزم کی خدمت کریں گے - پھر آپ نے دیکھا کہ بنگلہ دیش میں استادوں کی ایک مؤثر تعداد نے پاکستان کے خلاف نفرت کا طوفان اٹھا دیا - اب آپ ملاحظہ کیجیے سندھ میں کیا ہو رہا ہے - اسی طرح طلبہ اپنے اپنے نظریاتی گروپ یا سیاسی دھڑے کے لیے کام کر رہے ہیں — اور صرف لفظوں اور کتابوں اور دلائل ہی سے نہیں بلکہ کلاشنکوفوں اور کلہاڑیوں سے بھی -

تقریبوں پر جو لیکچر ہوتے ہیں، مختلف سوسائٹیوں کے اجلاسوں میں جو کارروائیاں ہوتی ہیں، ان سب کو جو بھی با اثر قوت ہو وہ اپنے نقشے پر چلاتی ہے -

امتحانات میں استاد بھی خاص خاص طلبا کے لیے نرم گوشے رکھتے ہیں - اور طلبہ بھی نقد رشوت سے لے کر غنڈہ ازم کے ہتھیاروں سے بھی امتحانات کے نظام کو درہم برہم کرتے ہیں اور پرچوں پر من مانے نمبر لگوانے کے لیے ان کا تعاقب کرتے ہیں - اور والدین اور رشتہ داروں کو بھی اس مہم کے میں لگا لیتے ہیں -

اس آزادیٔ تعلیم نے یہ مقام ماتم پیدا کر دیا ہے کہ اسلام کے دین ہونے سے قطع نظر اور پاکستان کے ایک نظریاتی ریاست ہونے اور اسی بنا پر بہت سی دشمنیوں اور شرارتوں میں گھرے ہونے سے بھی الگ ہو کر، موجودہ درس گاہیں نہایت آزادی سے بلکہ پوری شانِ بغاوت سے دولت پرست، سیکولر مائنڈڈ، خواہشات کے غلام اور سنجیدہ ملی مسئلوں کو سنجیدگی سے سمجھنے اور ان پر غور کرنے سے عاری، نیز اغیار پرست نوجوان

تیار کر کے دی رہی ہیں - اس پر نہ حکومت نے کبھی کوئی نوٹس لیا، نہ اخبارات میں ہلچل ہوئی - اور نہ معاشرے میں کوئی اضطراب کبھی نمودار - یعنی ناخوب بتدریج خوب میں بدل گیا اور یاروں کو خبر بھی نہ ہوئی - ماشاء اللہ کیا زندہ قوم ہے اور کیا بیدار دل دانشور ہمارے شعور کو ابھارنے کے لیے میدان میں ہیں - تعلیم ایسے نوجوان دے رہی ہے کہ جو نہ اصحابِ تخلیق ہیں، نہ اربابِ تحقیق، نہ ان میں اعلیٰ اخلاق، نہ شائستگی، نہ حُسنِ کلام، نہ ماضی کے سرمائے سے آگاہی، نہ مستقبل کا کوئی تعین، نہ معاشرے کی خرابیوں کی اصلاح کا جذبہ ـــــ یعنی مٹی کے مادھو ہیں جن کے گلوں میں سندیں اور ڈگریاں آویزاں ہیں -

اب اور زیادہ آزادئ تعلیم دے کہ اس قوم کو اس کے دوستانِ گرامی قدر کس جہنم کے گڑھے میں ڈالنا چاہتے ہیں ؟

تعلیم کو ڈی نیشنلائز کرنے کا منصوبہ اپنے اندر دوسرا تقاضا یہ مضمر رکھتا ہے کہ تعلیم کو لامرکزیت (DE-CENTRALIEATION) کا شکار بھی بنایا جائے -

ہر زندہ قوم اپنے نظامِ تعلیم کو اپنی ملی و تہذیبی ضروریات کے مطابق رکھنے اور قوم کے لیے ذہنی وحدت کا ذریعہ بنانے کے لیے اسے مرکزیت کے تابع رکھتی ہے - تاکہ طنبورہ کا ہر تار الگ الگ سُر نکال کر قوم کی وحدت، سالمیت اور آزادی کو خطرے میں نہ ڈال دے -

ہم مسلمان برسات کی کھمبیاں نہیں ہیں کہ ارش پڑی اور کسی بھی مزبلے پر، یا کھاد والے کسی بھی کھیت میں راتوں رات کھمبیاں اور چھتریاں اور بید بھیڑے پیدا ہو گئے - ان کی کوئی بنیاد نہیں، کوئی تاریخ نہیں، کوئی داستاں ان کے ساتھ وابستہ نہیں - (حالانکہ آپ کے ہاں بڑے بڑے درخت اور آم اور بیری کے پیڑوں تک کی ایک تاریخ ہوتی ہے اور روایات ان سے وابستہ ہوتی ہیں) - ہم لوگ ایک رسول ؐ کی اُمت ہیں، ایک خدا کو خدائے لاشریک مان کر اس کی عبادت و اطاعت کرنے والا

گروہ ہیں، ہمارے کچھ اخلاقی ضابطے ہیں۔ اور ہم پوری زندگی کا حساب آخرت میں پیش کرکے جزا اسزا پانے پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز ہمیں خدا کی نازل کردہ الہامی کتابِ حکمت و ہدایت سے بہت وسیع علم انسانی بلندی و پستی کا، انسانی قوموں کے عروج و زوال کا حاصل ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ محض مادّی ترقی (بشمول فسادِ اخلاق) اور مادّی ترقی بشمول ترقیٔ اخلاق کا فرق کیا ہے۔ ہمارے سامنے صدیوں کی تاریخ ہے اور اس تاریخ پر ہم کتابِ الٰہی کے حکیمانہ ضابطوں کو عمل کرتے اور نتیجہ دکھاتے اپنی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہمارا ایسا طویل تجربہ ہے جس سے ہوکر ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ اس تجربے نے ہمیں ہر دور میں احیائے نظامِ اسلام کا جذبہ دیا ہے اور یہی جذبہ تحریکِ پاکستان کا محرک تھا۔

اب اگر کوئی نظامِ تعلیم ان ساری باتوں کو چھوڑ کر ہمیں دو اور دو چار سکھاتا ہے۔ اور آفتاب کی رفتارِ گردش اور زمین کا وزن اور انسانی خون کے اجزائے ترکیبی اور ایٹمی قوت کے کرشمے اچھی طرح سمجھا دیتا ہے تو وہ ہمیں محض ایک معاشی و سائنسی روبوٹ یا کمپوٹر بنا رہا ہے۔ ہمیں پورا انسان تک نہیں بناتا، کجا کہ وہ مسلمان بنائے۔

ایسے یک رُخے اور بھینگے نظامِ تعلیم کے حوالے ہم اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو نہیں کرسکتے۔ حریف محض ہماری اس مجبوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں کہ ہم نے ان سے قرض لے رکھے ہیں یا ہماری حکومت کے سر پر دستِ شفقت ہے۔

مگر ہم ساہوکاروں کی خوشنودی کے لیے ایمان اور انسانیت کی متاع ان کے حوالے نہیں کرسکتے۔

ہم خیبر سے واہگہ تک اور مظفرآباد سے کراچی تک نظریۂ تعلیم اور مقاصدِ تعلیم کی وحدت چاہتے ہیں۔ ہم اپنی نسلوں کو کلمہ طیبہ سے لے کر شہادت تک کے سارے مراحلِ زندگی کی تعلیم اسلام کے مطابق دینا چاہتے ہیں۔ اور کوئی تعلیم گاہ جو ہمارے اس تعلیمی فیصلے سے متصادم ہو، اُسے اپنی سرزمین پر سوائے اس صورت کے گوارا نہیں کرسکتے کہ کوئی اقلیت اپنی مخصوص مذہبی تعلیم کا انتظام اپنے طور پر کرے۔ اس دائرے

سے باہر پورا نظامِ تعلیم ہمارا ہوگا۔ اگر آج ہمارے اندر کی لادین اور اغیار پرست بانسکارہ ہوس قوتیں اس اہم مقصد میں حائل ہیں تو کل آن کا زور ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ بہر حال ہمارا نظامِ تعلیم ہمارے ایمان پر مبنی ہوگا۔ اور اقلیت کو ہمارے ایمان سے سازگاری کرنی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ہماری نگاہ میں تعلیم کی مرکزیت انتہائی اہم ضرورت ہے۔ اس کے خلاف کسی بنک یا حکومت یا دوست کے مشوروں کی ہمیں احتیاج نہیں۔ جہنم میں جائے ہر ایسا خیر خواہ اور سرپرست جو ہمیں ہمارے قومی تصوّرِ وجود اور ملّی انا کے شعور سے محروم کرنا چاہتا ہو۔ ہم نے غلامی کی گولیوں اور پھانسیوں اور مقدمہ ہائے غدّاری و بغاوت کے ڈراؤنے دور میں بھی اپنی جداگانہ ایمانی و تہذیبی ہستی کے شعور کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دیا۔ تو کیا اب ساہوکاروں کے قرضوں اور ان کے مطالبہ ہائے سود اور آئندہ قرض نہ دینے کی دھمکیوں سے ڈر کر اس جھنڈے کو تار تار کر کے ان کے قدموں میں ڈال دیں گے۔ کیا واقعی لوگوں نے ہم کو اتنی بے غیرت اور بدھو قوم سمجھا ہے؟

ذرا ایک بار پھر پیچھے پلٹیے! یہ لوگ ڈی سنٹر بلائیزیشن کے ذریعے مخلوط تعلیم کو بھی ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، رقص و سرود اور فحاشی کو بھی معاشرے میں تفریح کے نام سے داخل کرنا چاہتے ہیں اور اُردو زبان کے حلق پر چھری پھیر کر انگریزی کی مہر ہر دماغ پر لگا دینا چاہتے ہیں۔ کتنا خوفناک منصوبہ ہے۔

علاوہ ازیں جب ہر علاقے اور ہر اعتقادی و نظریاتی بلکہ غیر مُلکی طاقت کو موقع ملے گا کہ وہ اپنے تعلیمی ادارے کھول لے اور انہیں نئے نئے دلکش سامانوں سے آراستہ کر کے نئے نئے علمی شعبے کھول کر نئے نئے دلچسپ موضوعات کو اختیار کر کے، دلآویز نصابی کتابیں سامنے لا کر، پی ٹی اور کھیل کود کے ذریعے مخلوط تعلیم کو صحیح برگ و بار دینے کے قابل بنا دے۔ جس طرح یہ لوگ کام کرنا چاہتے ہیں، لیقین جانئے کہ پورا پاکستان ہانگ کانگ بن جائے گا۔ اور بلا کسی سعی کے اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس میں رہنے والے عناصر دینی و وطنی وحدت کو فراموش کر کے لڑتے مریں گے۔ جو آغاز اس وقت بغیر کسی

بھاری منصوبے کے سندھ، حیدرآباد اور کراچی میں ہوا ہے وہ مؤثر ادارات کے ذریعے اور نہ در پکڑے گا، مختلف نظریات، عقیدوں اور فرقوں اور علاقوں کے لوگ لڑ مریں گے۔

لیکن امریکیوں کو جاننا چاہیے کہ ہم سارے علوم اپنے ایمان کی بنیاد پر مرتب کرنا اور پڑھانا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن اور رسولؐ کے بنائے ہوئے نوامیسِ الٰہی کو سرمایۂ فکر بنا کر علمی ترقی کریں گے۔ ہم ایٹمی قوت سے بھی نمٹیں گے، ہم خلائی سفر بھی کریں گے۔ ہم آپریشن اور ادویہ کے نئے سے نئے طریقے ڈھونڈھ نکالیں گے — مگر سب کچھ ایمان اور قرآن کی ہم آہنگی سے اور ان کی بنیادوں پہ ہوگا۔

ایمان و قرآن سے بٹے ہوئے علوم کو ہم کافرانہ علوم سمجھتے ہیں جن کے نتیجے میں دُنیا کی ایک سپر پاور تو ختم ہوئی۔ اب دوسری کو انتظار کرنا چاہیے کہ اس کی اجلِ مسمّیٰ اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔ کیونکہ عقل پرستی کے ایک شاہکار نے اعتماد کو اس درجہ متزلزل کیا ہے کہ اس کے تیار کردہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے نمونے کو بھی اب کسی طرف سے مرعوبیت یا ہمدردی حاصل نہیں۔ امریکہ اب اگلے وقتوں کی خداوندیٔ باطل کا سکہ چلانے کی کوشش نہ کرے۔

ایک مسئلہ پروفیسروں اور مدرسین کے مستقبل کا ہے۔ اس کو ذیل کے پہلوؤں سے سوچنا چاہیے:

۱۔ معلمین جب گورنمنٹ کے کسی قانونی اسکیل اور ملازمتی تحفظ کے دائرے سے خارج کر دیئے جائیں گے اور سرکاری قواعد ملازمت بھی ان پر لاگو نہیں رہیں گے تو ان کا مستقبل قطعاً تاریک ہو جاتا ہے۔

ہر تعلیمی ادارہ بجائے خود ایک آزاد یونٹ ہے۔ وہ اپنے قواعد اور معیارات اور تنخواہوں کے اسکیل اور تنزلیوں اور برطرفیوں کے ضابطے خود وضع کرتا ہے، اور حسبِ ضرورت اپنی مختصر سی مجلسِ کارپردازاں کے مشورے سے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

۲۔ فرض کیجیے کہ آپ نے ایف سی کالج کو آزاد قرار دیا۔ اب یہ اس کی مرضی ہے

کہ وہ کس صلاحیت و معیار کے معلمین کو لے۔ ضروری نہیں کہ موجودہ کام کرنے والے حضرات اس کے کسی نئے معیار پر، یا آئندہ کے کسی اور نئے ضابطے پر پورے اتر سکیں لہٰذا ان کی ملازمتیں تو صاف ختم ہوئیں۔

۳۔ تجارتی مسابقت میں پڑھ کر خصوصیت سے فنڈز حاصل کرنے اور ریاستی توجہات حاصل کرنے کے لحاظ سے بعض تعلیم گاہیں شروع ہیں یا آگے چل کر ختم ہو جائیں گی ان کے معلمین فارغ ہو جائیں گے۔ پھر کیا ان کو جیلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پی آئی اے میں پورٹروں کی آسامیاں دلوائی جائیں گی۔ ایک صورت یہ ہے کہ انہیں امیر ملکوں میں ایکسپورٹ کر کے وہاں خاکروب کمپنیوں میں بطور کارکن بھرتی کرا دیا جائے۔ یا انہیں قرض دیا جائے کہ وہ بھیڑیں یا مرغیاں پال لیں۔

ہمارے ہاں ابن کارانِ تعلیم بتائیں کہ کیا جواب ہے اس سوال کا؟

۴۔ ہو سکتا ہے کہ ایک یا مختلف ادارے معلمین کو اس بات سے روک دیں کہ وہ تدریس کے دوران کسی مذہبی یا ایمانی یا تحریکِ پاکستان، یا اردو زبان کے متعلق یا اس ادارے کے موسس صلیبیوں یا صہیونیوں یا اسمٰعیلیوں کے متعلق کوئی بات زبان پر لا سکیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مثبت طور پر ان سے تقاضا کیا جائے کہ زندگی کے ہر معاملے میں عقلیت کو ترازو قرار دیں نہ ایمان یا دین کو دخیل نہ کریں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم کا رنگ سیکولر ہوگا۔ یا طلبہ کو الحادی نقطۂ نظر سکھانا ہوگا۔ یا یہ کہ قرآن کی تعلیماتِ قوت و جہاد کی تنسیخ کے لیے مناسب تاویلیں پیش کرنی ہوں گی۔ یا مسلم تاریخ کے متعلق ایک مخالفانہ نقطۂ نظر اور خصوصاً تاریخ میں تحریکوں کا اٹھنا اور حکمرانوں سے تصادم کرنا وغیرہ امور کو جدید عقلیاتِ موضوعہ کی کسوٹی پر غلط ثابت لازم قرار دیا جائے۔ پھر میکیاولین نظریۂ سیاست، عوامی سیکولر جمہوریت، مارکس کی طبقاتی نزاع، مالتھس سے شروع ہونے والا نظریہ آبادی، ڈارون کی بنیادوں پر استوار نظریۂ ارتقاء یہ سب کچھ مسلمان بچوں پر ٹھونسا جائے گا۔

اب ایک مسلمان معلم یا پاکستانی معلم کے لیے دو راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ

سیدھی طرح الگ ہو جائے یا منافقانہ راستہ اختیار کرے۔ تاکہ اس کی معیشت اور اس کی اولاد کی ترقی کے ممکنات برقرار رہیں۔

کیا ایسے معلم کوئی اچھا پارٹ خود کفر کے حق میں بھی ادا کر سکتے ہیں۔ منافق نہ اسلام کے کام کا، نہ کفر کے کام کا۔ کیا ایسے لوگوں کے ذریعے زیرِ تعلیم نسل کا ستیاناس نہ ہوگا۔

دوسری طرف بے شمار اساتذہ اپنے جذبۂ ایمان اور محبتِ پاکستان کی وجہ سے کام چھوڑ کر بے روزگاری کے میدانِ کربلا میں بھوکے پیاسے تڑپیں گے۔ اور ان کی بیویاں اور اولادیں، حکومت سے تو کیا فریاد کریں گے، حکومت تو ان کو تعلیمی اداروں کے ساتھ نئے مالکوں کے ہاتھ فروخت کر چکی۔ وہ نئے مالکوں کی اچھی غلامی کر سکتے ہیں تو کریں اور نہیں کر سکتے تو نہ کریں۔ بے روزگاری کی پیاس بجھانے کے لیے حکومت کا دریائے فرات کام نہ دے گا، اس پر تو کڑے پہرے ہیں۔

۵۔ بہت سے معلمین (خصوصی ماہرین کی حیثیت سے) باہر سے بلائے جائیں گے ان کے ذریعے اس مُلک کی دولت یہاں بھی غیر پاکستانی ماہرین پہ صرف ہوگی، اور زرِ مبادلہ کی صورت میں باہر بھی جائے گی۔ بلکہ نصابی کتابیں بھی باہر سے چھپی چھپائی منگوائی جا سکتی ہیں۔ یا یہاں چھپیں تو ان کی رائلٹی پھر اُدھر ہی کو جاتی ہے — دوسرے سامان و ذرائع تعلیم الگ۔

باہر سے درآمد کردہ معلمین یا کسی مشنری ادارے کے اپنے ماہرین آئیں گے تو یہاں کے معلمین کی تو چھٹی ہو جائے گی۔

کوئی ذمہ دار ہوگا اِن کا؟

۶۔ معلمین کے ساتھ نصابی کتب لکھنے اور چھاپنے اور ان کی تشریحات فراہم کرنے والے طبقے اور دوسرے متعلقہ تعلیمی ماڈل، تصاویر، نقشے اور دوسرے لوازم فراہم کرنے والے طبقے بھی نئی تعلیمی تبدیلی کی مار کھائیں گے۔ ان کے ہاتھوں سے بہت سا کام نکل کر یا تو باہر چلا جائے گا یا خود تعلیمی ادارے اپنے ہاتھ میں لے کر

نفع کمائیں گے۔

ان کاموں میں بھی ہمیشہ معلمین کا حصّہ ہوتا ہے۔ یہ معلمین بھی دوسرے کارکنوں کے ساتھ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔

اتنا بڑا اضطراب انگیز مسئلہ معاشرے میں پیدا کر دینا اور پھر اس کا کوئی حل یا طریق ازالۂ نقصان پیش نہ کرنا کسی مہذب اور مسلمان اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعے چلنے والی حکومت کا کارنامہ نہیں ہو سکتا۔

مگر اب یہاں ہے۔ اس لیے اسے حالتِ عذاب کہیے!

معلمین کا مستقبل اس پالیسی کے تحت جو کچھ ہو گا اس کا اندازہ اس تبدیلی سے کر لیجیے کہ پنجاب میں تعلیمی اداروں کے سربراہوں کو یہ اختیارات دیئے جا رہے ہیں کہ پیشہ وارانہ فرائض کی ادائیگی میں غفلت کرنے والوں کے خلاف فوری کارروائی کر سکیں۔ پنجاب کے تعلیمی سیکرٹری صاحب نے یہ بتلاتے ہوئے پھر اس خبر کی تردید کی کہ حکومت تعلیمی اداروں کو نجی شعبوں کے حوالے کرنا نہیں چاہتی۔ وہی کام جو کر رہے ہیں، اسی کی تردید بھی ساتھ ہی (جنگ مورخہ ۱۵ رجولائی ۱۹۹۰ء)۔ یہی بات مسٹر طارق سلطان سیکرٹری تعلیم پنجاب کی طرف سے نوائے وقت میں چھپی ہے (نوائے وقت ۱۵ رجولائی)۔

سوال یہ ہے کہ جب اساتذہ کی ترقی و تنزلی یا سزا دہی کا اختیار آپ نے ان کے قریب ترین افسر کو دے دیا اور کسی تیسری اتھارٹی کا کوئی دخل نہیں ہو گا تو پھر کمزور اساتذہ کو کون تحفظ دلائے گا۔

معلّم ایک ایسی مخلوق ہے جسے سرکار کی طرف سے رگڑا دینا ہمیشہ آسان رہا ہے۔ اَلاَ بَلاَ بہ گردنِ مُولا۔ یعنی ہر خرابی کی سزا ہر پھر کر معلّم کو۔

(۲)

میں کئی روز سے اخبارات میں دیکھتا ہوں اور آج پھر اس دھمکی کو دوہرایا گیا ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان میں جنگ ہوئی تو، اور مسئلہ کشمیر کی موجودہ حالت کو بدلنے کی

کوشش کی گئی تو امریکہ پاکستان سے تمام تعلقات ختم کر دے گا۔ اور کوئی مدد یا قرض نہ دے گا
اس میں فوج کو بھی انتباہ دیا گیا ہے کہ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی جنبش کی تو پھر اسے
کیفرِ کردار سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یعنی یہ دُور ہی دُور سے ہم پر یوں حکمرانی ہو رہی ہے۔ امریکہ پاکستان کو تو بار بار
جھاڑ پلا دیتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے کشمیریوں کو غیر انسانی بہیمانہ مظالم سے
گزرتے ہوئے دیکھ کر بھارت کو بھی کوئی دھمکی دی۔ وہ ہمارے دریاؤں کو خشک
کر کے اور بنگلہ دیش والوں کو فرکا بیراج بنا کر دونوں طرف انسانی آبادیوں کو بھوکا
بھی مارنا چاہتا ہے اور سیلابوں کا شکار بھی بنانا چاہتا ہے۔ کبھی امریکہ نے اس کا
نوٹس لیا۔ بھارت نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد استصواب پر عمل کرنے کو ٹالتے ٹالتے
اب اس سے مکمل انحراف کر لیا ہے، کیا امریکہ نے اس کے اس مکارانہ رویے پر
گرفت کی۔ یہی حال ایٹم بم کے متعلق جانب داری کا ہے۔

امریکہ نے پاکستان دوستی کے پردے میں جو بھارت نوازی شروع کر رکھی ہے،
اب پاکستان کے لوگ اسے سمجھنے لگے ہیں۔ کسی بھی بڑی طاقت کو اگر بڑا رہنا ہو اور
عزت سے رہنا ہو تو اسے اپنے آپ کو با اُصول ثابت کرنا چاہیے۔ دو حکومتوں کے متعلق
ایک جیسے پسند و ناپسند کے طریقے اختیار کرنے چاہییں۔ اور کسی چھوٹی طاقت کو کبھی کچھ کے
نہیں دینے چاہییں۔ ایک طرف تم ہمارے حکومتی معاملوں میں دخل دیتے ہو، ہمارے
اقتصادی نظام کو زیر و زبر کرتے ہو، ٹیکسوں اور قیمتوں اور محصولات کے فیصلے دیتے
ہو، قرضے جاری کرتے ہو، سُود لُوٹتے ہو، دوسری طرف اپنے ذرائع ابلاغ سے
ہمارے خلاف جب پروپیگنڈا چاہتے ہو، شروع کر دیتے ہو، اور ادھر بین الاقوامی سطح
پر بھارت کو سینے سے لگا کر ہمیں دھمکیاں دیتے ہو، اور کشمیریوں کے متعلق کہتے ہو کہ
وہ اسی طرح بہیمیت کے کولہو میں پیلے جاتے رہیں۔ کتنی گندی پالیسی ہے۔

اس پالیسی کا نتیجہ کسی نہ کسی دن یہ ہو گا کہ امریکہ کو پاکستان میں وہی کچھ بھگتنا پڑ جائے
جو اس نے ایران میں بھگتا۔

ہم کسی ایسی دوستی اور کسی ایسے قرضے اور کسی ایسے ہمدردانہ مشورے اور کسی ایسی دھمکی کو جُوتے کی نوک پر رکھتے ہیں جس کا مقصد ہمیں ذلیل کرنا یا ہمیں بندۂ بے دام سمجھنا یا ہمیں ہمارے دین اور ایمان اور ہمارے جذبۂ پاکستانیت سے محروم کرنا ہو۔

تم نے آج ہمیں جن سازشوں میں گھیر رکھا ہے، ان کے جال جلد ٹوٹ جائیں گے۔ تم بھارت کو ایک میزائیل کی طرح ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہو اور پھر کہتے ہو کہ خبردار میرے اس پیارے میزائیل سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، بس اس کی زد میں خوشی خوشی سے آؤ اور امریکہ کا نام جپتے جپتے مرجاؤ۔ دوسرا میزائیل تمہارے پاس اسرائیل کا ہے جس کے بٹن پر تم ہاتھ رکھے ہوئے ہو۔ اب روس بھی تمہارے سامنے ڈگیں ڈال چکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس دنیا میں جگہ جگہ تباہی مچادو، جیسے آجکل افغانستان میں اور ہمارے یہاں اور کشمیر میں مچی ہوئی ہے، ہوسکتا ہے کہ تم کسی کو ادھر سے کاٹو اور کسی کو ادھر سے کاٹو اور پھر ان کو کہیں کا کہیں جاجوڑو۔

مگر دو باتیں یاد رکھو! ایک تو اب جب کبھی دنیا میں اتھل پتھل ہوگئی[1]، امریکہ اپنے تباہ کار ایٹمی دیووں اور خلائی جنگ کرنے کے وسائل کے باوجود خود تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ دکھائی دے رہا ہے کہ اس کی اجل مسمیٰ پوری ہوچکی ہے۔

دوسری گذارش یہ کہ مسلمان ہر حال میں زندہ رہے گا ـــ امریکہ میں بھی، روس میں بھی، بھارت اور کشمیر میں بھی، افغانستان اور جاپان میں بھی۔ ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھیے کہ پاکستان بھی باقی رہے گا۔ اور پاکستان کی رُوح اور اسپرٹ پھیلتی جا رہی ہے اور یہ مزید پھیلے گی۔ دُنیا میں اور بھی پاکستان بنیں گے۔

خدا کرے کہ ہم پاکستانی اپنے ایمان، اپنی محبتِ رسولؐ اور اپنی تعلیماتِ قرآن کے مطابق اس نازک وقت میں صحیح پارٹ ادا کرسکیں اور طاغوتی طاقتوں اور ان کی شرارتوں کا پورا پورا شعور حاصل کرکے ان کے فتنوں کو تہس نہس کرسکیں۔

---

[1] بدقسمتی سے امریکہ مشرقِ وسطیٰ کے معاملے میں بُری طرح اُلجھ گیا ہے۔ آخری نتائج نہ جانے کیا ہوں؟

حکمتِ سیّد مودودیؒ

جہاد
(ستمبر ۶۵ء کی صدائے بازگشت)

(ادارہ)

قرآنِ مجید کے یہ الفاظ اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں کہ مسلمان قوم کی آزادی اسلام کی نگاہ میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس آزادی کو جب خطرہ لاحق ہو جائے تو اس وقت دوسری تمام چیزیں اپنی اہمیت میں کمتر ہو جاتی ہیں اور سب سے بڑھ کر اہمیت اس چیز کو حاصل ہوتی ہے کہ اس آزادی کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کا اسلامی زندگی بسر کرنا اسی پر موقوف ہے۔ مسلمان اپنے ملک میں آزاد و خود مختار ہو کر رہیں۔ تبھی تو وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ اسلام کے احکام اُن کے ہاں جاری ہوں اور وہ مسلمان کی طرح زندگی بسر کریں۔ اگر ان کی یہ آزادی و خود مختاری ہی ختم ہو جائے تو اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ ان کا ملک دارالاسلام بن کر رہ سکے۔ اسی بنا پر قرآن یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ شخص اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے جو دارالاسلام کی ہستی کو خطرہ لاحق ہو جانے کی صورت میں اپنی جان و مال کی خیر منائے اور اس خطرے کو رفع کرنے میں کسی قسم کی قربانی کرنے سے جی چرائے۔

فریضۂ دفاع کی یہ اہمیت بتانے کے ساتھ قرآن مجید ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ جب مسلمان اسلام اور اُمتِ مُسلمہ کی حفاظت کرنے کے لیے کھڑے ہوں گے تو اس جہاد میں وہ تنہا نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ اُن کے ساتھ ہو گا۔ اور اس کی تائید و نصرت ان کے

شاملِ حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَنصُرُواْ ٱللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَٰلَهُمْ ۝ (سورہ محمد۔ ۷-۸)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔ رہے کافر، تو ان کے لیے تباہی ہے۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کو بھٹکا دیا ہے۔"

اِن الفاظ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ اتنی بڑی اہمیت دیتا ہے کہ یہ کام کرنا گویا اللہ کی مدد کرنا ہے۔ یہ کسی اور کا نہیں، خود اللہ کا اپنا کام ہے۔ جو شخص اِس مقصدِ عظیم کے لیے آگے بڑھتا ہے، وہ دراصل اپنی قوم یا اپنے ملک کی نہیں بلکہ اللہ کی مدد کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور پھر یہ اللہ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کی مدد فرمائے۔

اسلامی نظامِ معاشرت کا ایک بہت اہم پہلو

جناب حکیم شریف احسن صاحب

(۳)

ہمسایوں کے درمیان ایک اور مابہٗ النزاع معاملہ دیوار پر لکڑی رکھنے کا ہے۔ جو شخص پہلے مکان بنا لیتا ہے عموماً وہ بطیبِ خاطر اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ دوسرا اس کی دیوار کو استعمال کرے۔ یہ چیز دلوں میں گرہ پڑنے کا باعث بن جاتی ہے۔ اور ایک ایسے معاشرے میں ہمسایوں کے باہمی تعلقات کو سم آلود کرنے کا باعث بنتی ہے جس کی بنیاد ہی اخلاص و ایثار پر رکھی گئی ہے۔ اس چیز کے سدباب کے لیے حضورؐ نے ارشاد فرمایا: لا یمنع احدکم جارہ ان یغرز خشبۃ فی جدارہ[۱] یعنی تمہیں اپنی دیوار میں پڑوسی کو لکڑی رکھنے سے روکنا نہیں چاہیے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ اس بارے میں متامل ہیں تو فرمایا: "اس سے منہ کیوں موڑتے ہو (اس پر تیار نہ ہوتے تو) خدا کی قسم میں اُسے تمہارے کندھوں کے درمیان ڈال دوں گا"[۲] اس حدیث کو باختلاف الفاظ راویوں کی ایک کثیر تعداد نے روایت کیا ہے۔ بعض روایات میں "لا یمنعن" کے الفاظ آئے ہیں جن میں تاکید زیادہ ہے، یعنی ہرگز نہ روکنا۔ بعض

۱، ۲ مسلم ۲/ ۳۲، ابوداؤد ۵۱۱، ۵۱۲، ترمذی ۱/ ۱۶۱، ابن ماجہ، سنن، فاروقی دہلی ت، ن ص ۱۷۰۔ امام مالک موطا، دارالاشاعت کراچی ن ن ص ۳۱۱۔ مسندِ احمد ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۷۴۔

میں فِی کی جگہ عَلیٰ آیا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی ہمسایہ اپنے ہمسائے کی دیوار پر شہتیر رکھنا چاہے یا اس میں گاڑنا چاہے تو روکنا نہیں چاہیے۔ کچھ لوگوں نے اس کے امرِ مندوب یا واجب ہونے پر بحث کی ہے۔ ہمیں یہاں اس سے غرض نہیں۔ اتنا واضح ہے کہ امر مندوب ہو یا واجب اس پر عمل کا حوصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو يُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[1] کے مرتبے پر فائز ہونے کا عزم رکھتے ہوں۔ "ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں"۔

تحفہ دینا باہمی محبت کو قائم اور استوار کرنے کا ایک آزمودہ نفسیاتی طریقہ ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ معمولی تحفے بھی انسان کا دل جیت لیتے ہیں۔ حضورؐ نے بھی ہمسایوں کو ان کے بارے میں اسی لیے تاکید کی ہے تاکہ ان کے درمیان رشتۂ الفت مضبوط ہو۔ کم از کم کھانا کھاتے وقت ہمسایہ کو فراموش نہ کریں۔ اور روکھا سوکھا جو کچھ دسترخوان پہ ہو اس میں سے پڑوسی کو بھی کچھ بھجوا دیں۔ آپؐ نے اس پہلو پر خاص زور دیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مقصود محض تحائف کا لین دین نہیں بلکہ مدّ نظر خوب صورت انداز میں ہمسایوں کی خبر گیری کرنا ہے۔ کیا خبر پڑوس میں چولہا گرم بھی ہوا یا نہیں!

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ خواتین کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔ "کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے معمولی سے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے، خواہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو بھجوا دے[2]"۔ خواتین کو آپؐ نے خاص طور پر اس لیے مخاطب کر کے فرمایا کہ باورچی خانہ کے متعلقہ امور ان کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ لڑائی جھگڑا بھی عموماً عورتوں میں رہتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے باوجود خود ان کی اپنی روایت کے مطابق حضورؐ نے انہیں بتاکید حکم دیا کہ "جب تم شوربا

---

[1] القرآن ۵۹/۹ ترجمہ: اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں احتیاج ہو۔

[2] بخاری، الصحیح ۴/۳۷، مسلم، الصحیح ۱/۳۳۱۔

پکاؤ تو اس میں پانی ڈال دو اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کرو"[۱] مطلب یہ کہ اگر سالن زیادہ کی ضرورت نہیں ہے تو اس میں پانی ڈال کر اس کا کچھ حصہ پڑوسی کو بھجوا دو۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں دو دو ماہ چولہا نہیں جلتا تھا، اس کے باوجود ازواجِ مطہرات پڑوسیوں کی خبر گیری کا اہتمام کرتیں۔ چیز کم ہوتی تو ایک ہی کو بھجوا دیتیں۔ اسی لیے حضرت عائشہؓ کو حضورؐ سے دریافت کرنا پڑا کہ "حضورؐ میرے دو پڑوسی ہیں، میں کس کو ہدیہ بھجواؤں؟" فرمایا "اسے جس کا دروازہ قریب ہے"[۲]

پڑوسیوں کی خبر گیری کے سلسلے میں سب سے بڑھ کر آپ کا وہ ارشاد ہے، جس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی مذہبی، اخلاقی، سیاسی یا معاشی نظام میں نہیں ملتی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ جائع[۳] وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھا لے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ کوئی شخص خواہ زہد و تقویٰ کے کتنے اونچے مرتبہ پر فائز ہو، اگر وہ خود شکم سیر ہے اور اس کا ہمسایہ خالی شکم تو اس ارشاد نبوی کے مطابق وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یہ حدیث ایک شاہ کلید ہے جس سے معاشرتی مسائل کا مشکل سے مشکل قفل کھولا جا سکتا ہے۔ یہ کفالت کا ایک ایسا نظام مہیا کرتی ہے جس میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس قدر ترقی کے باوجود دنیا اس کے تصور تک بھی نہیں پہنچ سکی۔ دنیا میں کوئی ایسا معاشرہ نہیں کہ جس کا ہر فرد اس کا مکلف ہو کہ اس کے آس پاس بھوک کا سایہ نہیں پڑے گا۔ ورنہ وہ معاشرے کی رکنیت سے محروم ہو جائے گا۔ دنیا میں آج رفاہی ریاستیں موجود ہیں لیکن یہ کسی ریاست کے بس کی بات نہیں کہ وہ ہر وقت اپنے ہر شہری کی خبر گیری کرے۔ یہ صرف اسلام کے نظام جوار ہی میں ممکن ہے۔

---

[۱] مسلم، الصحیح ۲/۳۲۹

[۲] بخاری، الصحیح ۴/۳۷

[۳] بخاری، الادب المفرد ص ۳۹

حقوق ہمسایہ کا یہ پہلو اتنا اہم ہے کہ اس کے بارے میں آخرت کی باز پرس سے حضورؐ نے خاص طور پر متنبہ کیا ہے۔ فرمایا: "قیامت کے روز بہت سے ہمسائے اپنے ہمسایوں کا گریبان پکڑیں گے۔ اور بارگاہِ الٰہی میں نالش کریں گے کہ اس نے کیوں اپنا دروازہ بند کر کے مجھے اپنے فیض سے محروم رکھا۔[۱]" یہاں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی پیشِ نظر رہے کہ "قیامت میں سب سے پہلے دو پڑوسیوں کا مقدمہ پیش ہوگا۔"[۲]

خبر گیری اور کفالت کا یہ نظام محض خیالی نہیں ہے۔ سیرتِ صحابہؓ میں اس کی تابناک مثالیں ملتی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے غیر مسلم ہمسایوں کو بھی فراموش نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کے گھر بکری ذبح کی گئی۔ گھر آتے ہی آپ نے پوچھا "ہمارے یہودی ہمسایہ کو بھی کچھ بھیجا ہے"۔ آپ نے یہ سوال تین بار دہرایا پھر کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ "جبریلؑ مجھے ہمسایہ کے بارے میں اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے ورثہ میں حق دار ٹھیرا دیں گے۔[۳]" موطا میں ہے کہ ایک دن حضرت جابرؓ گوشت لے جا رہے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا اور پوچھا۔ تو عرض کیا "امیر المومنین گوشت کھانے کو جی چاہ رہا تھا۔ ایک درہم کا خریدا ہے"۔ فرمایا، "کیا تم اپنے ہمسایہ یا ابن عم کی خاطر بھوکے نہیں رہ سکتے"[۴] مطلب یہ تھا کہ یہ خواہش تمہارے پڑوسی اور عزیز میں بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا پہلے اُن کا خیال کرو، پھر اپنا۔ پڑوسیوں کے سلسلہ میں حضورؐ کا حضرت ابوذرؓ کو حکم اُوپر گذر چکا ہے۔ وہ اس پر اس حد تک کاربند تھے کہ اپنی بکریوں کا دُودھ دُوہ کر پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں کو پلاتے پھر خود پیتے۔ عینی شاہد کے

۱۔ بخاری الادب المفرد، ص ۳۹۔

۲۔ مسند احمد ۴/۱۵۱

۳۔ ابوداؤد ص ۶۳۱، ترمذی ۲/۱۶، بخاری الادب المفرد ص ۳۴۔

۴۔ امام مالک، موطا، ص ۳۷۳۔

مطابق ایک رات ایسا ہوا کہ دودھ اور کھجوریں پڑوسیوں اور مہمانوں کو پیش کر دیں اس معذرت کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس ان سے بہتر چیز ہوتی تو اسے بھی وہ ان کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔ اس طرح جو موجود تھا دوسروں کی نذر کر دیا اور خود اس رات بھوکے سو گئے[1]

حقوق ہمسایہ کے بارے میں دو چیزیں ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہئیں۔ ایک امام غزالیؒ کا یہ نکتہ کہ حقِ جوار ان حقوق کے علاوہ ہے جو ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمام پڑوسیوں کے حقوق ایک جیسے نہیں ہیں۔ ایک حدیث[2] کی رُو سے پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں: ایک پڑوسی ہے اس کے تین حق ہیں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور اسلام کا حق ۔۔ ایک پڑوسی ہے اُس کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور اسلام کا حق ۔۔ اور ایک پڑوسی ہے اس کا ایک حق ہے (یعنی پڑوس کا حق) اور وہ ہے مشرک (غیر مسلم)

قرآن و حدیث کی ان تعلیمات سے واضح ہے کہ اسلامی معاشرہ وہ جنّت نہیں ہے جس میں "کسے را با کسے کارے نباشد"۔ یہ ایک شاعر کی خیالی جنّت کا نقشہ تو ہو سکتا ہے، لیکن اندھیروں اور اجالوں کی اس دُنیا میں یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلامی معاشرے کے افراد ایک دوسرے سے بے نیاز بلکہ بے گانہ ہو کر رہیں۔ اور "تم اپنا رُخ اُدھر کو کرلو، ہم اپنا رُخ اِدھر کو کرلیں"، کہ کوئی کسی کو لائقِ التفات نہ سمجھے۔ ان تعلیمات کا لُب لباب یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد غم کے بوجھ کے نیچے دَب کر نہ رہ جائے۔ غم ہو تو آس پاس کے لوگ اسے آپس میں بانٹ کر ہلکا کر دیں۔ مسرتوں کا سورج نکلے تو وہ بھی کسی ایک حویلی یا محل میں مقید ہو کر نہ رہ جائے۔ اس کی کرنیں پورے ماحول کو روشن

(باقی برصفحہ ۳۹)

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار بیروت۔ ت۔ ن۔ ج ۱/ ۲۲۵، ۲۲۶

[2] حافظ عراقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن مضمون اس کا بالکل درست ہے۔

آئندہ لائحۂ عمل کے لیے ایک تجویز

جناب محمد اکرم قریشی صاحب

جیسا کہ سید نا مودودیؒ کے تجزیے کے مطابق فساق و فجار کو قیادت سے محروم کر کے صالح قیادت اور صالح نظام قائم کرنا ہے تو "باہم منظم کوشش" سے اور "حکیمانہ تدبر" سے ان "چار اسباب" کا انسداد کرنا ہو گا۔ اور ان خرابیوں کو ختم کرنا ہو گا، جو ایک غلط قیادت کا سہارا ہیں۔ ایک تناور درخت کو اس کی تمام موٹی موٹی جڑوں کو کاٹے بغیر گرانا ممکن نہیں ہوتا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ ان اسباب کو ختم کرنے کے لیے کیا طریق کار ہو سکتا ہے؟ آیئے ان اسباب کو ایک ایک کر کے لیں۔ اور دیکھیں کہ اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

۱۔ عوام الناس کو با شعور اور با اخلاق بنانا۔

اس مقصد کے لیے یہ کچھ کرنا ہو گا۔

— عوام میں اسلام یعنی اطاعتِ خدا اور رسولؐ کا شعور پیدا کر کے ان کے فکر و عمل کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا۔

— انہیں دین و سیاست کے علیحدہ علیحدہ ہونے کے فریب سے نکال کر ان کو نفاق یعنی "صرف عبادات اسلامی اور باقی زندگی غیر اسلامی" سے نجات دلا کر ایسے مسلمان بنانا جو خدا اور رسولؐ کے احکامات کا پابند باعمل مسلمان ہونا۔

— آخرت کا ایسا یقین پیدا کرنا کہ وہ دنیا پرستی کے بجائے آخرت کو ترجیح دیں

اور مفاد پرستی کے بجائے حق پرستی اختیار کریں۔ اور برسر اقتدار گروہ کے کسی فریب میں نہ آئیں۔

— رضائے الٰہی ان کا مقصد بن جائے۔ اور وہ اخلاق و کردار کا بلند معیار حاصل کر سکیں۔

— انہیں یہ باور کرانا کہ اختلافِ مسائل پر فرقہ بندی درحقیقت ملت میں انتشار پیدا کرکے اُسے فساق و فجار کے لیے نرم چارہ بنانا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ صحابہؓ اور سلفِ صالحینؒ کی طرح اختلاف میں رواداری اختیار کی جائے اور متحد ہو کر اسلام کے احیاء کے لیے جہاد کیا جائے۔

— انہیں نظامِ اسلام خصوصاً اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام سے اس حد تک باخبر کر دیا جائے کہ وہ اسلام ہی کو اپنی معاشی، سیاسی اور ساری مشکلات سے نجات کا ذریعہ مان لیں اور اس کے قیام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

۲— با اثر طبقات سے نجات پانا۔

اس سلسلہ میں یہ کرنا چاہیے کہ:

— عوام کو بتایا جائے کہ یہ "برسر اقتدار گروہ" انگریز نے اپنی سامراجی حکومت کو مستحکم کرنے اور عوام کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے "مفادات و مراعات" کا لالچ دے کر تیار کیا تھا۔ یہ "جاگیردار، سرمایہ دار اور افسر شاہی گروہ ملک پر قابض ہو چکا ہے۔ نفاذِ اسلام کا اس لیے مخالف ہے کہ اسلام اس کے ناجائز مفادات کو ختم کرتا ہے اور "جمہوریت" یعنی عوام کو اختیارات دینے سے اس لیے گریزاں ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال کر کے اسے اقتدار سے بے دخل نہ کر دیں۔

— عوام کو مفاد پرست دانشوروں، صحافیوں، سیاسی ورکروں، چھوٹے چوہدریوں اور مولویوں کے اس پروپیگنڈے سے بچانا جو وہ "بدکردار قیادت" کی حمایت کے لیے کرتے ہیں۔

۳ ۔ بدکردار افسر شاہی کی روک تھام کرنا ۔
اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ :

۔ عوام کو بتایا جائے کہ " انتظامیہ کو " اب برسرِ اقتدار گروہ کی محافظ نہیں بلکہ عوام کی خادم ہونا چاہیے ۔ اس مقصد کے لیے متعلقہ قوانین اور طریقِ تربیت کو تبدیل کرایا جائے ۔

۔ ہر سطح اور ہر قسم کی بدعنوانیوں پر کڑی نظر رکھی جائے ، ان کے خلاف رائے عامہ تیار کی جائے اور بدکرداروں کو سزا دینے کا مطالبہ مسلسل جاری رکھا جائے ۔

۔ عوام کو بیدار اور منظم کرکے ہر شہر ، محلہ اور گاؤں میں امدادی کمیٹیاں قائم کی جائیں ۔ اور ان کے تعاون سے رشوت ، دلالوں اور ناجائز سفارشیں کرنے والوں کے کردار کو عیاں کرکے ان کو اپنی ناپاک کوششوں سے روکا جائے ۔ عوام کو ان کے جائز حقوق دلانے کا راستہ نکالا جائے ۔ اور عوام میں ایسے با اخلاق اور جرات مند افراد کو آگے لایا جائے ، جو عوامی سطح پر بدکردار قیادت کے مفاد پرست حامیوں کا مقابلہ کرسکیں ۔

۔ ریٹائرڈ افسروں کی کمیٹی قائم کی جائے ۔ جو اعلیٰ افسروں میں خدا خوفی پیدا کرکے انصاف کرنے پر آمادہ کرے اور بدعنوانیوں کی اصلاح کے لیے توجہ دلائی جائے ۔

۴ ۔ انتخابی خرابیوں کی اصلاح کرنا ۔
اس اقدام کے لیے ناگزیر ہے کہ :

۔ جن انتخابی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے ، ان سے عوام کو آگاہ کیا جائے ، تاکہ ان کو ناکام بنانے کے لیے رائے عامہ اپنا کردار ادا کرسکے ۔

۔ الیکشن کمیشن کی تشکیل سے لے کر پولنگ تک ہر ہر موقع پر ایک ایک غلطی کی اصلاح کے لیے آواز اٹھائی جائے ۔ اور ہر غلطی کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جائے ۔

۔ اس سلسلہ میں مرکز ، صوبہ اور ضلع کی سطح پر کمیٹیاں بنائی جائیں ۔ جو مسلسل کام کریں اور ہر پہلو سے خرابیوں کی اصلاح کے لیے اخبارات کے ذریعے آواز اٹھاتی رہیں ۔

ہمارا لائحہ عمل ایسا ہونا چاہیے جو مذکورہ بالا طرز پر ان اسباب کے سدباب کے لیے مؤثر ہو سکے۔ اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ فکری محاذ — جو فکری اور نظریاتی جنگ لڑے اس کے دو گروپ ہوں۔

ایک گروپ نشر و اشاعت کا کام سنبھالے اور حسب ذیل یا ایسے ہی دوسرے موضوعات اور مباحث پر مختصر[۱] آسان فہم اور سادہ انداز میں پمفلٹ شائع کرے مثلاً:۔

○ اسلام کیا ہے؟ ○ خدا کی بندگی کیوں؟ ○ الٰہ، عبادت اور رب کا صحیح مفہوم ○ پانچ بنائے اسلام کا کردار ○ اجتماعی زندگی کے لیے پانچ احکام ○ نظامِ اسلام ہی کیوں؟ ○ اسلام اور سیاست ○ اسلام اور معیشت ○ اسلام اور معاشی محرومیوں کا حل ○ دین و دنیا کی تقسیم کیوں؟ ○ آخرت حق ہے ○ آخرت کی جوابدہی ○ آخرت کی کامیابی ○ مسلمان کا مقصدِ زندگی ○ ہمارا برسر اقتدار گروہ ○ برسر اقتدار گروہ کا کردار ○ نظامِ اسلام کے مخالفین ○ انتخابی بدعنوانیاں۔ ○ انتخابی اصلاحات ○ رشوت اور سفارش کیوں؟ ○ اسلامی قوانین کا نفاذ کیوں؟ پردہ کیوں ضروری ہے؟ ○ انتظامیہ کی اصلاح ○ تعلیمی اصلاحات کی ضرورت تعلیمی اصلاحات ○ انسداد فحاشی کیوں؟ ○ انسداد فحاشی کی تدابیر ○ رضائے الٰہی کا حصول کیسے؟ ○ اختلافِ مسائل کی حقیقت ○ اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال

دوسرا گروپ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، رسائل میں اسلام کے مخالف مواد پر احتساب کرے۔ جماعت کے خلاف اعتراضات اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرے اور صحیح نقطۂ نظر پیش کرے۔ اس مقصد کے لیے اپنے حامی تمام اہل قلم کے حلقے قائم کر کے ایک ایک ریڈیو یا ٹی وی اسٹیشن اور ایک ایک اخبار یا رسالہ کا احتساب ان کے ذمہ لگایا جائے۔

[۱] صفحات ۴ سے ۱۶ تک ہوں تاکہ کم خرچ پر زیادہ سے زیادہ پھیلائے جا سکیں۔

۲ ۔ تقریری محاذ

مقررین کی جو عوامی تقاریر کر سکتے ہوں ان کے مرکز، صوبہ، ڈویژن اور ضلع کی سطح پر گروپ بنائے جائیں اور ضرورت کے مطابق ایک موضوع کو لے کر اس کو پورے ملک کے عوام تک جلسوں کے ذریعے پہنچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے فکری محاذ طے کرے کہ اب ملک میں کون سا موضوع ہے جس پر اظہارِ خیال کیا جانا مناسب ہے۔

میری ناقص رائے میں عوام میں ہماری عدم پذیرائی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا لٹریچر اور تقاریر کا معیار بہت بلند ہے اور دائرہ بے حد محدود ہے۔ گزشتہ پانچ سال سے ضلع گجرات میں کوئی بڑا جلسہ نہیں ہوا (ہنگامی نوعیت کے معاملات اس میں شامل نہیں)۔ دو ضلعی اجتماع ہوئے، جن کی حاضری ۲۵۰ اور ۴۰۰ کے قریب تھی۔ ہفتہ وار اجتماعات کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ ایسے مقام بہت کم ہیں جہاں حاضری ۴۰ سے زائد ہو۔ ہمارے عوام کی بڑی اکثریت ان پڑھ ہے۔ ان سے رابطہ کا مؤثر انتظام ہونا چاہیے جو جلسے ہی ہو سکتا ہے۔

۳ ۔ عملی محاذ

یہ محاذ امدادی کمیٹیاں قائم کر کے نچلی سطح بلکہ ہر سطح پر اچھے اخلاق و کردار کے افراد کو آگے لائے۔

برادر تنظیموں کو مؤثر بنانے میں رہنمائی کرے۔

مختلف معاملات کے لیے کمیٹیاں مقرر کرے اور ان سے کام لے۔

۴ ۔ عملی اقدام

جب تک عملی اقدام سامنے نہ ہو کارکنوں کو متحرک کرنا مشکل کام ہے۔ مصائب ہوں گے تو صبر کی تلقین مؤثر ہو گی۔ جنگ ہو گی تو ایثارِ جان و مال کے لیے تیار کرنا ممکن ہو گا۔ پاکستان بننے کے بعد "مطالبہ نظامِ اسلامی" پر جس طرح قلیل نفری پوری جماعتی/انفرادی قوت سے کام کیا۔ وہ بھی ایک مثال ہے۔ اسی طرح نونکاتی دستورِ اسلامی کا مطالبہ کے لیے جو کام ہوا۔ وہ ابھی ذہنوں میں تازہ ہے۔ جب تک آپ ایک "اقدام" کو

ہدف نہیں بناتے ساری کوششیں خشکی میں تیرنے کی مشق ہیں۔ کئی سالوں سے مسلسل سالانہ منصوبے کارکنوں کو حرکت میں لانے میں ناکام ہو رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اجتماعی زندگی سے متعلق ایک "عملی اقدام" اپنا ہدف بنایا جائے۔

اصولاً نظامِ اسلامی کے مطالبے اور دستورِ اسلامی کی تدوین کے بعد ہمارا ہدف مطابق نفاذِ دستورِ اسلامی" ہونا چاہیے۔ اس مطالبہ میں وہ تمام بنیادی نکات شامل کیے جائیں جو انقلابِ اسلامی کا تقاضا ہیں۔

بین الاقوامی طاقتیں اور برسرِ اقتدار گروہ کبھی آپ کو موقع نہ دے گا کہ آپ آگے آسکیں۔ وہ مارشل لا لائیں گے اور پھر پی پی کو اقتدار دلائیں گے۔ وہ کارگر نہ ہو تو جتوئی نواز شریف گروپ تیار ہے۔ وہ آگے آجائے گا۔ وہ ناکام ہو تو اصغر خان نورانی قادری گروپ کو موقع دیا جائے گا۔ جماعتِ اسلامی کو ہرگز ابھرنے اور آگے آنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ اس کے لیے جب بھی اپنا راستہ بنانا ہے جماعتِ اسلامی کو خود بنانا ہے۔ اس مقصد کے لیے "مطالبہ نفاذِ دستورِ اسلامی" ایسا ہدف ہے جو جماعتِ اسلامی اور نفاذِ اسلام کے معاملہ کو ملک کا مسئلہ نمبر ا بنا سکتا ہے۔

— یہ ایسا مطالبہ ہو گا جو نظریۂ پاکستان کا تقاضا ہے۔

— اس مطالبے سے وہ نظریاتی فضا اور فکری پیاس اور مسائل کے حل سمجھنے کی ضرورت پیدا ہو گی جس کو ہماری تحریک اس کے فکری، تحریری اور عملی محاذ پورا کر سکیں گے۔

— عوام سے وسیع پیمانہ پر رابطہ ہو سکے گا اور وہ تمام فکری و اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کا موقع ملے گا جو انقلاب قیادت کا تقاضا ہے۔ جن کا خرابیوں کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس ہدف کے لیے بنیادی طور پر جماعتِ اسلامی کام کرے گی۔ مگر اس کام کے مختلف پہلوؤں پر کام کرنے کے لیے برادر تنظیموں سے اس طرح کام لیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اپنے نکاتِ مطالبہ کی اپنے اپنے حلقہ میں تشریح کر کے معاشرہ کے مختلف عناصر کو مطالبہ کے حق میں اپنا ہمنوا بنائیں۔

برادر تنظیموں کی مدد سے ہم اپنی تفصیلی تجاویز منشورِ اسلامی معاشرہ کے ہر طبقہ تک

پہنچا سکیں گے اور اس کام کی تقسیم کچھ اس طرح ہو سکتی ہے۔

نظامِ تعلیم اور اس کے مسائل ـــــ تنظیم اساتذہ اور اسلامی جمعیت طلبہ

ذرائع ابلاغ کی اصلاح ـــــ حلقۂ علم و ادب

معاشی مسائل ـــــ کسان بورڈ اور نیشنل لیبر فیڈریشن

ملی اتحاد اور فحاشی ـــــ جمعیۃ اتحاد العلماء اور جمعیۃ طلباء عربیہ۔

ملکی اور انتخابی قوانین کی اصلاح ـــــ جمعیۃ اسلامی وکلاء اور شعبۂ انتخابات

خواتین کے مسائل ـــــ شعبۂ خواتین

تجارت، صنعت اور ٹیکسوں کے مسائل ـــــ اسلامی انجمن تاجران و صنعت کاراں

اس طرح جماعت کی پوری نظریاتی قوت مطالبات کی تشریح کے ذریعے اسلامی نظام کی تفصیلات تیار کرنے میں مصروف ہو جائے گی، تمام تقریری قوت ملک گیر جلسوں میں اور کارکن مساجد میں قرارداد میں منظور کرانے اور محضر ناموں پر دستخط لینے میں مصروف ہو سکیں گے اور برادر تنظیموں کے کارکن اپنے اپنے محاذ پر پوری طرح مصروف ہوں گے۔ جماعت سے لے کر اور ہر برادر تنظیم اور ہر کارکن کے پاس کام ہو گا اور وہ اسے کرے گا۔

اس مہم سے برسرِ اقتدار گروہ کی نااہلیت عوام کے سامنے آئے گی اور جماعت اسلامی کی بات سمجھی جائے گی۔ تمام دینی و سیاسی جماعتوں پر دباؤ پڑے گا۔ ان کی مخالفت ناکارہ ہوتی جائے گی۔ جماعت کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے جو انتخابات میں نمایاں کامیابی کا ذریعہ بن جائے۔

اس لائحہ عمل کے لیے جس فکر، قوت اور ذرائع کی ضرورت ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ موجود قوت کے بہترین استعمال کا بہترین طریقہ ہی فتح کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ طریقہ بھی ہمارے بس میں ہے، بلکہ دستور اسلامی کی تدوین کے بعد ہمارا لازمی اگلا قدم مطالبہ نفاذ دستور اسلامی ہی ہونا چاہیے۔

خدا کرے کہ میری بات سمجھ میں آ سکے۔ آمین۔

یہ وہ خاکہ ہے جس پر آئندہ سوچنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

انکارِ شریعت کے مضمرات

جناب محمد اسلم طاہر - ایم - اے

اُمتِ مسلمہ میں اس وقت لسانی، علاقائی اور فقہی اختلافات کی جو کیفیت ہے، اہلِ درد اس پر پہلے ہی دل گرفتہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان اختلافات کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی اور بنیادی نکات پر زیادہ سے زیادہ اتفاق و اتحاد کا اہتمام کیا جاتا۔ پرائیویٹ شریعت بل اس لحاظ سے ایک اہم پیشکش ہے۔ مسلمانوں کے مختلف مکاتیبِ فکر کا اس پر اجماع بے مثال ہے۔ بعض علمائے کرام کے سیاسی اختلاف سے قطع نظر یہ بل واقعتہً قرآن و سنت کے عمومی مزاج کا عکاس ہے۔ اِدھر المیہ یہ ہے کہ شریعت بل کی مخالفت کی آڑ میں سرے سے شریعت ہی کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے[۱]۔ مسلّمہ اسلامی اصولوں کی تردید کے لیے علمائے کرام کو نشانۂ تنقید بنانا فیشن بن گیا ہے۔ سندھو دیش تحریک کے بانی جی۔ ایم۔ سیّد نے یہ کہہ کر اسلام سے منحرف بہت سے ترقی پسند اہلِ قلم کو زبان دے دی ہے کہ "میں اسلام کی مُلّا والی تشریح کو نہیں، صوفیا والی تشریح کو مانتا ہوں"[۲] اس تشریح کا ایک ادنیٰ سا

---

[۱] آجکل کسی تحریک کو ناکام بنانے کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے اسے متنازعہ بنا دو۔

[۲] بات مرضی اور پسند کی ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں اپوا کی تشریح کو مانتا ہوں یا کمیونسٹوں کی تفسیر اچھی لگتی ہے۔ جو پسند آ گیا وہ اصلاحی اسلام بن گیا۔ یعنی (باقی بر صفحہ آئندہ)

شاہکار یہ ہے کہ محمد بن قاسم ڈاکو اور راجہ داہر ہیرو قرار پائے۔ اِس سلسلے میں "اصلاحی اسلام" کی اصطلاح کو بھی رواج دیا جا رہا ہے۔ اس "اصلاحی اسلام" کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اسلام کی رہنمائی میں اجتماعی اصلاح کی فکر کم ہے، البتہ دورِ جدید کے بعض گمراہ کُن رجحانات کی پیروی میں اسلامی اُصولوں کی ترمیم و تنسیخ سے دلچسپی زیادہ ہے۔ ہمارے اِن جدّت پسند دوستوں کے فرمودات کی روشنی میں اسلام کی جو اصلاحی اور جدید تصویر بنتی ہے، اس کے کچھ نقوش ملاحظہ ہوں:

۱۔ نفاذِ شریعت کے بہت سے مخالفین کو اسلام کا اُصولِ اجتہاد کچھ زیادہ ہی مرغوب ہے۔ اِس حد تک بات قابلِ اعتراض بھی نہیں لیکن اس سے بڑھ کر ان حضرات نے بطورِ خود جو اجتہادی کاوشیں پیش کی ہیں، اس کے بعد یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اجتہاد اور ارتداد میں فرق کیا ہے۔ "روایتی تصور" کے مطابق عقائد اور عبادات کے معاملے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا نیز اجتہاد ہر کہ و مہ کا کام نہیں۔ اس کے لیے خاص اہلیت اور شرائط درکار ہیں۔ "جدید تصوّر" کے مطابق اجتہاد، معاملات تو کجا عقائد و عبادات تک میں بھی ممکن، بلکہ لازمی ہو گیا ہے۔ اس اجتہاد کا حق بھی زیادہ تر قرآن و سنّت سے نابلد بعض سرکاری افسران کی بیگمات یا فلم اور ٹی وی کے چند فن کاروں کو حاصل ہے۔ چنانچہ قانونِ شہادت، دیّت اور شریعت بل کے خلاف بیگمات نے لاہور اور اسلام آباد میں جو مظاہرے کیے وہ اِسی جدید تصورِ اجتہاد کا قدرتی نتیجہ ہیں۔ پھر اس اجتہاد کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہے کہ حدیث تو کیا، قرآن کی نصِ صریح بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ چنانچہ جوشِ اجتہاد میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ "ہم اقبال کے پیغامِ تغیر پسندی کو آگے لے جانے والے ہیں اور اقبال نے اپنے ایک خط میں قرآنی نص میں بھی اجتہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کسوٹی نبی اکرمؐ نہیں ہیں، جی ایم سید اور مہناز رفیع جیسے فدائیینِ شریعت ہیں، جو ان کی پسند وہ برحق!

کی بات کی ہے۔"

(فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو - ایک گفتگو" وارث میر جنگ ۸ر فروری ۱۹۸۶ء)

چونکہ جدید دَور میں یہ دانشورِ شریعت کے ہر اصول کی تعبیرِ نَو کے مدعی ہیں، اس لیے عقائد و عبادات تک کے بارے میں جا بجا تعبیرات کا ایک ذخیرہ جمع ہو چکا ہے ۔۔ خدا اور نماز کا جو مفہوم معروف و مسلّم ہے اس کی تعبیرِ نَو اشتراکی رہنما فیروز الدین منصور نے یُوں کی تھی کہ" قبیلوں کی باہمی رقابتوں اور لڑائیوں کو ختم کر کے عربوں کو متحد کرنے کے لیے قبائلی دیوتاؤں کا خاتمہ اور ایک خدا پر ایمان ضروری تھا" بین السطور پیغام یہ ہے کہ اب جب کہ عالمِ اسلام کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً لاتعداد ٹکڑیوں میں بانٹنا مطلوب ہے تو عقیدہ توحید جدید سیاسی حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے ترکی کے مردِ آہن مصطفےٰ کمال اتاترک نے عربی کے بجائے ترکی زبان میں اذان و نماز کی ادائیگی کا حکم دیا تھا - عالمِ اسلام کے سیکولر عناصر کے نزدیک اتاترک آئیڈیل شخصیت ہے چنانچہ یہاں بھی اُردو میں نماز کی تحریک چلی تھی -علماء کی مزاحمت کے باعث یہ تحریک پروان نہ چڑھ سکی - بایں ہمہ نماز کی بابت جدید نظریات کی کمی کی شکایت نہ ہونی چاہیے - بیگم نسرین سرفراز نے ایک بیان میں فرمایا تھا -" اگر عورت کی گواہی نصف ہے تو نماز بھی نصف ہونی چاہیے"۔ خدا اور نماز کے بارے میں اس ارتقائی اور حرکی تصور کی تان بالآخر مُلک کی ایک گلوکارہ کے اس بیان پر ٹوٹتی ہے کہ" موسیقی میری نماز اور سُر میرا خدا ہے"۔

۳ -" اصلاحی اسلام" میں طلاق اور شادی کے مسائل پر بھی طبع آزمائی کی گئی ہے - پہلے اعتراض یہ تھا کہ غصے میں دی گئی طلاق کیسے مؤثر ہو سکتی ہے - گویا طلاق بیوی کی کسی بات پر خوش ہو کر دی جاتی ہے - اب طعنہ یہ ہے کہ تفننِ طبع کے طور پر بیوی کو تین دفعہ طلاق کہہ دینے سے کیا ہو جاتا ہے - گویا طلاق بھی ایک کھیل تماشہ ہے جسے حسبِ خواہش شروع اور ختم کیا جا سکتا ہے - پچھلے دنوں ایک ٹی وی ڈرامہ کے حوالے سے دو فن کار میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جو ناگوار صورتِ حال پیدا ہوئی، اُس کی

وجہ اسلام کے اُصولِ نکاح وطلاق سے افسوسناک حد تک لاعلمی کہی جا سکتی ہے ۔ ہمارے بعض جدید اہلِ قلم علماء کو تجدید تقاضوں سے بے بہرہ ہونے کا الزام دیتے ہیں، لیکن خود ہیں اسلامی اُصولوں کی نزاکت سے بہرہ ور ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔ شادی کے متعلق بھی نظری اور عملی طور پر اسلامی احکامات کی تضحیک کی مثالیں عام ہیں ۔ ہندوستان اور مقبوضہ کشمیر میں اونچے گھرانوں کی مسلمان خواتین کے غیر مسلم مردوں سے نکاح کی اطلاعات عام ہیں ۔ اس سلسلے میں بھارت میں یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی تحریک سرکاری سرپرستی میں بعض ترقی پسند مسلمانوں کے تعاون سے چل رہی ہے ۔ اسلامی کونسل آف انڈیا کے سیکرٹری جنرل محمد یونس مُسلم نے کہا ہے کہ " یہ تحریک خدانخواستہ کامیاب ہو گئی تو بھارت سے شریعت ختم ہو جائے گی" ۔ شادی کے بارے میں ایک مشہور پاکستانی اداکارہ نے برطانوی فلسفی رسل کے قول کو اون کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ " شادی قانونی قحبہ گری (LEGALISED PROSTITUTION) کا دوسرا نام ہے" کیا عجیب کہ ترقی کی مزید منازل طے کرنے کے بعد شادی کے لیے قانونی طریقہ کار بھی ایک بے جا پابندی قرار پائے ۔ احسان دانش مرحوم نے غالباً اسی اندیشے کا اظہار کتنے دکھ بھرے الفاظ میں کیا تھا ۔ " اب وہ وقت آ رہا ہے جب لوگ ہمارے پوتوں پہ اُنگلی اُٹھا کر کہا کریں گے کہ تمہارے دادا کے گھر میں منکوحہ عورت تھی" ۔

۴ ۔ مشہور و معروف اسلام میں خواتین کو چادر اور چار دیواری کے تحفظات حاصل ہیں ۔ اس بنا پر کھیلوں کے مخلوط بین الاقوامی مقابلوں میں پاکستانی خواتین کو شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ اس جرم کی پاداش میں بھی علمائے کرام ہی ہدفِ ملامت بنتے ہیں ۔ ایسے مقابلوں میں خواتین کی شرکت کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انڈونیشیا اور ملائشیا وغیرہ اسلامی ممالک کی خواتین اگر غیر مردوں کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتی ہیں تو ایسا کرنے سے پاکستانی خواتین کے اسلام کو کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے ۔ سیدھی سی بات ہے کہ کسی بھی جگہ کسی خلافِ اسلام ضابطے کا نفاذ کسی دوسری جگہ ایسے ہی ضابطے کی ترویج کی بنیاد نہیں بن سکتا ۔ ترکی میں ملک کی اعلیٰ تعلیمی کونسل

نے مردوں کے لیے ڈاڑھی اور عورتوں کے لیے نقاب نیز طالبات کے لیے دوپٹہ تک اوڑھنے کی ممانعت کر رکھی ہے۔ چنانچہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ارمان عسکری کو ملازمت سے صرف اس لیے علیحدہ کر دیا کہ انہوں نے سرکاری ہدایت اور انتباہ کے باوجود ڈاڑھی منڈوانے سے انکار کر دیا تھا۔ جاوا (انڈونیشیا) کے تعلیمی اداروں سے ایسی چھ سو طالبات کو خارج کر دیا گیا، جو سر ڈھانپ کر آتی تھیں اور سرکاری طور پر مقرر کردہ لباس منی سکرٹ کو زیبِ تن کرنے کے لیے تیار نہ تھیں۔ چند مسلمان ممالک میں ہونے والی یہ انحرافی کوششیں اگر ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں تو پھر کیوں نہ عالمی مقابلہ حسن میں بھی شرکت کی تیاری کی جائے۔ کراچی میں پچھلے سال ایک ہوٹل میں تیرہ سالہ لڑکیوں کے درمیان ایک ایسا ہی مقابلہ "بے بی شو" کے نام سے منعقد کرانے کی کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ ویسے ملائشیا کے ترقی پسند اس معاملے میں پہلے ہی سبقت لے چکے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ۲۷ اگست ۸۶ء کو کوالالمپور میں ۱۸ مسلمان خواتین کے مابین ایک مقابلہ حسن ہوا۔ اطلاعات کے مطابق لڑکیوں کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھنے کی اجازت صرف جیوری کے ارکان کو تھی۔ ملائشیا کے مشہور انگریزی روزنامہ "سٹریٹس ٹائمز" کے مطابق "ملائشیا چونکہ اسلامی ملک ہے، اس لیے یہاں لڑکیوں کا لباسِ غسل میں عام مردوں کے سامنے جانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔"

۵۔ نفاذِ شریعت کے بہت سے ناقدین شریعت کو ماضی بعید میں عرب کے مخصوص رسم و رواج پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ یوں یہ لوگ شرعی احکام کو فرسودہ سمجھتے ہیں اور عہدِ حاضر میں ان کی افادیت کے منکر ہیں۔ اس نظریہ کے تحت اسلامی عقائد اور اسلامی شعائر کا حلیہ بگاڑنے کی بے شمار کوششیں کی جا چکی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا کے فضل سے اُمت کے اجتماعی ضمیر نے ان کوششوں کو پنپنے نہیں دیا۔ بہر حال اس ذہنیت کے عین مطابق سود کی حرمت اور جہاد کی فرضیت کو چیلنج کیا گیا۔ جھٹکا حلال ہوا۔ اسلامی سزائیں وحشیانہ بنائی گئیں۔ حکومت وقت کو زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کا مشورہ دیا گیا۔ کیونکہ بقول غلام احمد پرویز "زکوٰۃ کے نصاب یا شرح کا ذکر قرآن

ہیں نہیں" قربانی کی شرعی حیثیت مشکوک ہوئی - دلیل یہ دی گئی کہ "اگر کسی کو سنتِ ابراہیمی پہ عمل پیرا ہونا ہے تو اپنے بیٹے کو ذبح کر کے لٹائیے" - (بحوالہ قرآنی فیصلے از پرویز) سابق جسٹس منیر نے اسلامی ریاست کے تصور کا مضحکہ اُڑایا - پراپیگنڈہ یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم دوسرے درجے کے شہری ہوں گے (بحوالہ منیر رپورٹ) رختم نبوت کے بارے میں منتخب پارلیمنٹ کے فیصلے کی توہین ولی خان نے یہ کہہ کر کی کہ "پارلیمنٹ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دے"۔ اور اب بیوروکریسی کی طرف سے انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اسلامیات، مطالعہ پاکستان اور اردو کی لازمی حیثیت کو ختم کرنے کی تیاریاں ہیں - کیونکہ یہ مضامین "غیر بار آور یعنی NON PRODUCIVE" — پائے گئے ہیں - اقبالؒ نے کچھ ایسی ہی صورتِ حال پر تڑپ کر کہا تھا ؎

ہے کس کو یہ جرأت کہ مسلماں کو ٹوکے
حریتِ فکر کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

۶ - اسلام کے مستند عقائد اور مسلّمہ تعلیمات کے برعکس یہ افکار ملتِ اسلامیہ نے آج تک قبول کئے ہیں نہ آئندہ اس کا امکان ہے - ان کے فروغ کی واحد صورت مسلمان ممالک میں شخصی یا یک جماعتی آمریت کا قیام ہے - ترقی پسند دانشور اسی لیے مسلمان معاشروں میں آمریت کے مدّاح خواں اور فوجی انقلابات کے لیے چشم براہ رہتے ہیں - سابق جسٹس منیر مرحوم کے نزدیک ایوب خان "وسیع المشرب انسان" تھے اور وارث میر کے نزدیک "ایوب خان جدید ذہن کا حکمران تھا - اور اس نے اپنے ترقی یافتہ نظریات مختلف کمشنوں کے ذریعے ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کی"۔ یہ خراجِ تحسین اس شخص کے لیے ہے جس نے پاکستان میں جمہوری اور سیاسی عمل کو معطل

کر دیا اور جس کے دورِ حکومت میں مرکزی پارلیمنٹ کا کام ہی محض صدارتی آرڈی ننس کی توثیق کرنا تھا۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کے کمیونسٹ حضرات صدر ضیاء الحق کے مارشل لا کے حامی نہیں۔ لیکن اس ضیا دشمنی کا تعلق جمہوریت دوستی سے نہیں بلکہ صدر ضیاء الحق کی اسلامائیزیشن اور افغان پالیسی سے ہے۔ عبداللہ ملک نے اپنی کتاب "تیسری دنیا، فوج[1] اور اقتدار اعلیٰ" میں یہ مقدمہ (THESIS) پیش کیا ہے کہ تیسری دنیا میں تبدیلی لانے والے عناصر کمزور ہیں اور فوج ہی وہ طاقتور عنصر ہے جو صحت مند تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ اس لیے فوج جب بھی صحت مند تبدیلیوں کے لیے اپنا اقتدار اعلیٰ استعمال کرے تو ترقی پسندوں کا فرض ہے کہ وہ فوج کی حمایت کریں۔ افغانستان میں روس کی فوج کشی پر ایک دنیا سراپا احتجاج ہے۔ خود روسی قیادت بھی اس غلطی پر سجدۂ سہو کرنا چاہتی ہے لیکن جام ساقی نے شاہ سے زیادہ شاہ پرست ہوتے ہوئے روسی مداخلت کے دفاع میں کہا ہے کہ "کسی ملک میں اگر سوشلسٹ انقلاب کو خطرہ ہو تو اس انقلاب کا تحفظ روس کی ذمہ داری ہے"۔ اس ضمن میں فوج کو ملوث کرنے کے لیے ترک فوج کی مثال کو قابلِ تقلید بنا کر پیش کیا گیا۔ میجر منظور حسن ریٹائرڈ لکھتے ہیں۔
"ترکی کی افواج اپنے ملک کے بانی مصطفیٰ کمال کے نظریات کی محافظت کو ہی فرضِ اولین

[1] ان حضرات کی تنگ دامانیٔ خیال اور فکری تضادات کا یہ حال ہے کہ یوں تو مارشل لا پر لعنت برسائیں گے، مگر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بڑی بڑی (CHANGES) جمہوریت کے ذریعے نہیں لائی جاسکتیں، خصوصاً اسلامی رجحانات کے خلاف لادینی اقدامات کا ثواب تو فوج ہی کما سکتی ہے۔ یہی بات اگر پلٹ کے کہو کہ اسلام کے مطلوبہ تغیرات کو نافذ کرنے کے لیے مغربی جمہوریت کے مقابلے میں ایسا مارشل لا بہتر ہے جس کے فوجیوں میں عام دین داری ہو اور جس کے کارپردازوں اور سربراہ میں غلبۂ اسلام کا انقلابی جذبہ ہو تو یہ ملائیت کے طعنے لے کر آپ پر پل پڑیں گے۔ حالانکہ ہمارا رجحان جمہوری ذرائع کا ہے بشرطیکہ صحت مند جمہوریت ہو بھی۔

سمجھتی ہیں۔ اور جب بھی اس سمت میں انہیں خطرہ محسوس ہوا، اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر منفی اثرات کا قلع قمع کرتے ہوئے باگ ڈور دوبارہ صحیح قیادت کو سونپ دیتی ہیں۔ ان مقاصد کی خاطر وہاں کی افواج نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۰ء میں سیاسی اقتدار پر قبضہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسا نہیں ہو سکا۔"

(مضمون "سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن اور نظریہ پاکستان"
جنگ ۸ر فروری ۸۶ء)

یہ ہیں اس نظام کے حقیقی خد و خال جو نفاذِ شریعت سے گریز کی صورت میں پاکستان کا مقدر ہے۔

(بقیہ اسلامی نظام معاشرت کا ایک بہت اہم پہلو)

کر دیں۔ پڑوسی پڑوسی کے پہلو میں خار بن کر نہیں پھول بن کر رہے۔ ہمسایہ ہمسائے کے لیے سایۂ رحمت ہو جس کے دامن میں وہ مصائب کی تپش سے پناہ لے سکے۔ جار (ہمسایہ) مجیر (پناہ دہندہ) کے معنی میں بھی جار ہو۔ اور ہر گھر اپنے پڑوسی کے لیے صرف ہنگامی حالات میں نہیں، تمام حالات میں امدادی مرکز کا کام دے۔

بعض اوقات ہم آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری جڑیں زمین میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے تمام منصوبے خیالی بن کر رہ جاتے ہیں۔ اگر اسلامی انقلاب انسانوں نے برپا کرنا ہے اور ہم اپنے قریب ترین انسانوں کے حقوق ادا نہیں کرتے تو انقلاب برپا کرنے والے انسان کہاں سے آئیں گے؟ اسلام کے نظامِ جوار کو اسلامی نظامِ حیات کے قیام کے لیے ایک مؤثر ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا احیاء وقت کا اہم تقاضا ہے۔ یہ کام غیر معمولی ایثار اور قربانی کا مطالبہ بھی نہیں کرتا۔ صرف سوچ اور رویّہ میں معمولی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ مصلحینِ اُمّت کو اس کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔

نماز

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

اسلام کے چار بنیادی ارکان میں سے نماز ایک اہم رکن ہے۔ اور نماز بندوں پہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اور اس کو دینِ اسلام کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان وجہِ امتیاز نماز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ[1]

اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو۔

نماز ذریعۂ نجات ہے | نماز نجات کی شرط ہے۔ ایمان کی محافظ ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و تقویٰ کی بنیادی شرائط قرار دیا ہے۔

الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝[2]

الٓمٓ۔ یہ کتاب ذکر، کوئی شبہ اس میں نہیں ہدایت ہے (اللہ سے، ڈر رکھنے والوں کے لیے جو غیب پہ ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی

[1] الروم - ۳۱

[2] البقرہ - ۱، ۲، ۳

پابندی کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی [1]

بامراد ہوا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا ہے۔

کامیابی کا راز نماز کو قرار دیا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ [2]

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں۔

نماز ہی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں۔ گناہوں کی کثافتیں دھلتی ہیں۔ اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور انسان کی روحِ ناصبور چین اور سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الٰہی کے ممکن نہیں۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [3]

خدا کی یاد سے دلوں کو تسکین ہوتی ہے۔

اور نماز کا مقصد یادِ الٰہی بتایا گیا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ [4]

اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔

قلب انسانی نماز کی بدولت، تجلیات و انوارِ الٰہی کا مہبط بنتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ نماز دل کی روشنی ہے۔ [5]

---

[1] الاعلیٰ۔ ۱۴، ۱۵
[2] المومنون۔ ۹
[3] الرعد۔ ۲۸
[4] طٰہٰ۔ ۱۴
[5] سیرت النبی جلد ۵ ص ۷۳

نماز کی پابندی ضروری ہے

نماز کی پابندی ہر وقت ضروری ہے اور پابندی میں حفاظت اور سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ اور اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے جو سنِ بلوغ سے لے کر آغوشِ لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ اور یہی ایک فریضہ ہے جو ہر مرد و زن، امیر و فقیر، بوڑھے اور جوان پہ فرض ہے۔ نہ میدانِ جنگ کے ہیبت ناک احوال و مناظر اس عزیز فریضہ کی ادائیگی میں مانع آ سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور عذر اس کے ترک کا سبب بن سکتا ہے۔ عذر کی صورت میں آسانیاں فراہم کی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان ہوتے ہوئے اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[1]

اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

گویا نماز کا ترک کرنا مشرکوں میں سے ہو جانے کے ہم معنی ہے۔

قیامت کے روز جب کفار سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تمہارے جہنم میں آنے کا کیا سبب ہے تو وہ جواب میں کہیں گے۔

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ[2]

ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بين العبد وبين الكفر ترك الصلوٰة[3]

بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے (یعنی اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر کی (سرحد) سے جا ملے گا۔

---

[1] الروم - ۳۱

[2] المدثر - ۴۳

[3] صحیح مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۸

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

العھد الذی بیننا و بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر[1]

ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہے۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا۔ وہ کافر ہوا۔ (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی)۔

نماز کی حفاظت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص نماز پر محافظت کرے گا تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی، برہان، اور ذریعۂ نجات ہوگی۔ اور جو نماز کی محافظت نہیں کرے گا اس کے لیے نہ روشنی ہوگی، نہ دلیل (ایمانی) اور نہ نجات اور قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا"[2]

امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی میں اور امام بغوی (م ۵۱۶ھ) نے شرح السنہ میں عبداللہ بن شقیق کا یہ قول نقل کیا ہے۔

کان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مسند احمد، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ص ۵۸۔
[2] مسند احمد، دارمی، بیہقی، مشکوٰۃ ص ۵۸۔
[3] مشکوٰۃ ص ۵۹۔

سات باتوں کی وصیت کی، جن میں سب سے پہلی اہم دو باتیں یہ ہیں:

لا تشرکوا باللہ وان قطعتم او حرقتم ولا تترکوا الصلوٰۃ متعمدین فمن ترکھا فقد خرج من الملۃ [1]

"اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرو، اگرچہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے۔ اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے عمداً نماز چھوڑی وہ ملت سے نکل گیا۔"

نماز کو ترک کرنا تو بڑا گناہ ہے۔ اگر اس کے ادا کرنے میں سستی کی جائے تو اس کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى [2]

"جب وہ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے اُٹھتے ہیں۔"

نماز کے دوام کی ضرورت اور اس کے ترک کے خطرات پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔ چہ جائے کہ کسی ولی اور عارف اور مجاہد سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ [3] (اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے۔ یہاں تک کہ آپ کو روز یقین پیش آئے)۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مشاہدہ اور یقین کی منزل پر پہنچنے کے بعد یا اسلام کے راستہ میں مختلف خدمات انجام دینے یا اپنے کارناموں اور اپنے مقام کی وجہ سے یہ فریضہ اس سے ساقط ہو گیا تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور زبردست خطرہ کو دعوت دیتا ہے [4]

(باقی)

---

[1] رسالہ نماز ص ۱۱ محمد منظور نعمانی
[2] النساء - ۱۴۲
[3] الحجر - ۹۹
[4] ارکان اربعہ ص ۸۴

قرآن اور حضور رسالتمآبؐ

جناب الیف الدین ترابی صاحب

(۲)

شہادتِ حق کے منصبِ جلیل پر قرآن کریم کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذمہ داری شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنا بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر بھیجا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل سے اس کے حق ہونے کی شہادت دیں۔ اپنے قول کے ذریعے اس کی طرف دعوت دے کر اور اس کے مختلف پہلوؤں کو پوری طرح کھول کر بیان کرتے ہوئے اور اپنے عمل سے اس کی تعلیمات کو زندگی کے مختلف شعبوں میں عملاً نافذ کرتے ہوئے سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (الاحزاب ۔ ۴۵)

"اے نبیؐ، ہم نے تمہیں گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

سورۃ البقرہ میں یہی بات ایک دوسرے انداز میں کہی گئی ہے:-

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝

(البقرہ ۔ ۱۴۳)

"اور یوں ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر دین حق کی گواہی دے سکو، اور رسول تم پر"۔

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت لازم و ملزوم قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اور اس اعتبار سے ایمان کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اکثر اللہ تعالیٰ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ساتھ ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

(النساء - ۵۹)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی۔"

سورہ محمد میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد - ۳۳)

"اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت شارع و قانون ساز قرآن مجید ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شارع اور قانون ساز بھی بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت و سیرت کو دین میں دوسرے مصدر قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ پہلا مصدر قانون کتاب اللہ ہے اور دوسرا سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن کریم میں جو بہت ساری آیات وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء - ۶۵)

"بس نہیں، اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ تم کرو، اس پر دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔"

سورہ الاحزاب میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (الاحزاب ۳۶)

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر وہ اپنے اس معاملے میں خود اپنے طور سے کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھے۔"

سورہ الحجرات میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الحجرات ۱)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔"

بحیثیت مفسرِ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور انتہائی اہم حیثیت مفسرِ قرآن کی بھی ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب دے کر مبعوث فرمایا گیا ہے، اُس کی تفسیر و تشریح کر کے اُسے بیان کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد تفسیر وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (النحل ۶۴)

"اے نبیؐ، ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم اُن کے سامنے ان باتوں کو واضح کر دو، جن میں انہیں آپس میں اختلاف ہے۔"

داعی الی اللہ کی حیثیت سے ایک اور صفت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے، یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی طرف دعوت دینے والے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ
نَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝
(الاحزاب - ۴۵-۴۶)

"اے نبیؐ! ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، نیز اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے"

اہلِ ایمان کے لیے آئیڈیل کی حیثیت سے اسی طرح قرآنِ کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اہلِ ایمان کے لیے آئیڈیل صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝
(الاحزاب - ۲۱)

"البتہ تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

خاتم النبیین ایک اور بات جو قرآن کریم ہمیں بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں بتاتا ہے، یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں آتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (الاحزاب - ۴۰)

"لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

یہ ہے قرآنِ کریم کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور سیرت کا ایک اجمالی خاکہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رسائل و مسائل

ابن العربی اور قتلِ حسینؓ

سوال: رسائل و مسائل حصہ ہفتم مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ صفحہ ۸۵، سطر ۱۵،
"ابن عربی کے اس قول کو غلط قرار دیا ہے کہ امام حسینؓ کا قتل شرعاً جائز تھا، کیونکہ وہ یزید کے بالمقابل مدعی خلافت تھے"۔

یہاں میں یہ بھی ذکر کروں گا کہ ابن خلدون نے ابن العربی کے قول کو غلط قرار دیا ہے کہ امام حسینؓ کا قتل شرعاً جائز تھا۔ کیونکہ وہ یزید کے بالمقابل مدعی خلافت تھے۔

گذارش ہے کہ آپ جو کچھ لکھیں کتاب کا حوالہ عنایت فرمائیں۔ اگر کتاب عربی میں ہے تو حوالہ کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی بھیج دیجیے۔ میں خود تو ابن عربی کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن ایک گدی کے مُریدوں کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے۔ جماعت کی مخالفت ان کے ہاں اس لیے بھی کی جاتی ہے کہ جماعت کے اہلِ علم امام ابن تیمیہؒ کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔

جواب: آپ کا خط ملا جس میں آپ نے رسائل و مسائل حصہ ہفتم میں منقولہ اس قول کا حوالہ طلب کیا ہے کہ ابن عربی کے نزدیک حضرت حسینؓ کا قتل شرعاً جائز تھا۔ کیونکہ وہ یزید کے بالمقابل مدعی خلافت تھے۔ آپ کے بقول یہ حوالہ اس لیے درکار ہے کہ کسی گدی کے مریدین کے ہاں ابن العربی کا بڑا درجہ ہے اور وہ جماعت کی مخالفت اس بنا پر کرتے ہیں کہ جماعت کے اہلِ علم ابن تیمیہؒ کو ابن عربی پر ترجیح

دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کے اہلِ علم کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں۔ ہم ابن عربی اور ابن تیمیہؒ دونوں کو اُمت کے عظیم اسلاف میں شمار کرتے ہیں۔ میں اگرچہ اپنے آپ کو اہلِ علم میں شمار ہونے کا ہرگز اہل نہیں سمجھتا۔ لیکن میں قاضی ابوبکر بن عربی مالکی کے دینی افکار اور علمی افادات کا ادنیٰ خوشہ چین ہوں، ان کی شرح ترمذی (عارضۃ الاحوذی) اور احکام القرآن سے میں ہمیشہ استفادہ کرتا ہوں۔ ان کی کتاب "العواصم من القواصم" کا مطالعہ میں نے ان ایام میں کیا تھا۔ جب میں "خلافت و ملوکیت" پر اعتراضات کا جواب دے رہا تھا۔ اس وقت میں نے ان تمام کتابوں کو جمع کرنے اور انہیں بغور پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ جن کا حوالہ میں نے اپنی بحث میں دیا تھا۔ اور وہ پوری بحث اب "خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ" کے نام سے چھپ چکی ہے۔

بعد میں عدالتی ذمہ داریوں کی بنا پر میں اسلام آباد منتقل ہو گیا۔ اور وہ پورا ذخیرہ کتب اب میرے پاس محفوظ نہیں۔ آپ کا خط آنے پر میں نے العواصم من القواصم بڑی مشکل سے کہیں سے عاریۃً لی اور حضرت حسینؓ کے بارے میں جو کچھ مصنف نے لکھا ہے، اُسے دوبارہ پڑھا۔ میری ناقص رائے اب بھی یہی ہے کہ حضرت حسینؓ اور یزید کا موقف بیان کرنے میں اُنہوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک طرف انہوں نے یزید کو عظیم المنزلت قرار دیتے ہوئے اُسے صحابہ و تابعین کے اس زمرے میں داخل کیا ہے جن کے قول و فعل قابلِ اقتدا ہیں۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے خلاف جن لوگوں نے جو قدم بھی اُٹھایا۔ وہ بربنائے تاویل تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں سے بچاؤ کے لیے جو کچھ فرمایا تھا، اسی کی بنا پر حضرت حسینؓ کے خلاف قتال کیا گیا۔ کیونکہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ "جو شخص بھی اس اُمت کی جمعیت میں تفریق پیدا کرے، جو بھی ہو اُسے تلوار کی ضرب لگاؤ (...... فاضربوہ بالسیف کائنا من کان) یہ ارشاد نبوی کی بالکل غلط، من مانی تاویل اور اہلِ سنت کے مسلک سے انحراف ہے۔

میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں پوری عبارتیں معہ ترجمہ نقل کردوں جب کہ ضروری

مباحث مولانا مرحوم اور اس عاجز کی تحریروں میں مطبوعہ موجود ہیں۔ یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) وہ محی الدین ابن العربی (متوفی ۶۳۸ھ) نہیں ہیں جو مشہور اہلِ تصوف الشیخ الاکبر کے لقب سے معروف ہیں اور "فتوحاتِ مکیہ" جن کی تصنیف ہے۔ یہ وحدت الوجود کے زبردست قائل و داعی ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اندلس ہی میں پیدا ہوئے اور بعض لوگ غلطی سے دونوں کو ایک سمجھ لیتے ہیں۔ العواصم من القواصم، الدار السعودیۃ للنشر، قاہرہ اور جدہ سے چھپی ہے اور قاضی ابوبکر ابن العربی کی تصنیف ہے۔

قاضی ابوبکر، شیخ محی الدین، ابن تیمیہ کسی کا کلام بھی وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔ ابن تیمیہؒ نے اپنے معاصرین اور بعض دوسرے اہلِ علم کے خلاف جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے، وہ بھی بلاشبہ نہایت تند و تیز ہے، خود ان کے جلیل القدر شاگرد امام ذہبی نے اس کی بڑی شکایت کی ہے۔ ابن تیمیہ نے ایک مجلس میں ایک سے زائد طلاق کو ایک طلاق رجعی شمار کیا ہے، جو مذاہبِ اربعہ، بلکہ ظاہریہ کے مسلک کے خلاف ہے۔ مگر ابن تیمیہ نے تلوار اور قلم سے دین کی جو خدمت کی ہے، وہ قابلِ قدر اور موجبِ اجر ہے، اِن شاء اللہ!

بہرکیف، ہم سب بزرگوں کا اکرام و احترام کرتے ہیں خواہ وہ ابوبکر ابن العربی ہوں، محی الدین ابن العربی ہوں یا ابن تیمیہ ہوں یا دوسرے ائمہ سلف ہوں۔

(غلام علی)

ترجمان القرآن ماہ جولائی، اگست میں متعدد غلطیاں ہیں، ان کی تصحیح کا اندراج کرنے کے لیے اس پرچے میں جگہ نہیں۔ اگلے شمارے میں پیش کر دی گئے۔

(ادارہ)

مطبوعات

ریگِ رواں | از جناب حکیم محمد سعید صاحب ۔ ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر ناظم آباد کراچی ۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰ ۔ سفید کاغذ پر ٹائپ سے طباعت، صفحات ۴۴۸ مضبوط جلد۔ پر رنگین ڈیزائن کے ساتھ کتاب کا نام ۔

یہ کتاب دلچسپ سفر نامہ بھی ہے اور تدریسِ علم بھی ۔ اِس طویل سفر کا پہلا حصّہ بڑا مختصر سا بیان ہوا ہے، مگر وہ حکیم صاحب کے اس سفر اور سارے سفروں پر حاوی ہے ۔ آپ ص ۵ تا ۲۰ تک پڑھ جائیے ۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ حکیم صاحب کس ترتیب سے نکلے، کیسے جادۂ طب کی طرف رُخ ہوا اور پھر کیسے علمی و تحقیقی نئی نئی راہیں نکالیں ۔

آٹھ سفر نامے پہلے شائع ہو چکے ہیں، ریگِ رواں کا نمبر ۹ ہے ۔ حکیم صاحب نے سفر نامہ نگاری میں اپنا ایک خاص اسلوب پیدا کر لیا ہے ۔ ان کے سفر بھی گویا "ہمدرد سفر" ہیں ۔ یہ کتاب یونان اور جنوبی افریقہ کے ۲۱ روزہ سفر کی داستان پیش کرتی ہے، جس میں ملاقاتیں، مجالس، پریس کانفرنسیں، استقبالیے، مکالمات اور تبادلۂ خیالات کی نشستیں، بڑی بڑی شخصیتوں کا سفر نامے کے اسٹیج پر آنا، مختلف جگہوں کے مسائل کا اُبھرنا، دلچسپ مناظر اور اداروں اور تفریح گاہوں کی سیر اور پھر نگارش کی ادبی دلچسپیاں یہ سب کچھ میرے سامنے ہے مگر میں کیسے اسے تنگئ داماں صفحات میں آپ کے سامنے رکھ دوں ۔ حکیم صاحب ایک سفر تو حال میں کر رہے ہوتے ہیں اور بیچ بیچ اپنے قارئین کو ساتھ لے کر کسی بھی اہم جگہ تاریخِ ماضی کا دروازہ کھولتے ہیں اور مسلسل آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ ایتھنز پہنچے تو پھر دورِ عتیق میں چل دیئے ۔

فلسفوں اور مجسموں، اصنام خیالی اور شخصیتوں کا تعارف کراتے ہیں، ماضی کے سبق آموز سوانح کو نمایاں کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں فلسفۂ یونان کے ساتھ طبِ یونان بھی آئی تھی، اس لحاظ سے حکیم صاحب کی نگاہ میں یونان کی خاص اہمیت ہے، پھر وہ یونان ترکی آدینہ تک آجاتے ہیں جس کا تعلق ہمارے ملی اور ادبی تاریخ سے ہے۔ آخر میں یونان کی مجموعی مختصر تاریخ بھی پیش کرتے ہیں۔

یہی صورت جنوبی افریقہ کی ہے جہاں حکیم صاحب سونے کی کان اور ڈربن میڈیکل سکول کو ملاحظہ فرماتے ہیں، وہاں وہ گوروں کے شکنجۂ ظلم میں آئی ہوئی کالی نسل کی داستان سے بھی بہرہ مند کرتے ہیں۔ نسل پرست حکومت کے تشدد کے واقعات اور فسادات وغیرہ کا حال پڑھیے۔ ایمنسٹی رپورٹ بسلسلہ جنوبی افریقہ کا ذکر بھی قابلِ توجہ ہے۔

جنوبی افریقہ سے بڑے بڑے مفاد پرست ممالک نے تعلقات استوار کر کے کالوں کے لیے حالات کو مشکل تر بنا دیا ہے۔ ہمارا پوری دنیا کے مغرب کمزوروں کی حمایت میں کوتاہ اسیاہ فامانِ جنوبی افریقہ ہوں، یا اصل عرب باشندگانِ فلسطین یا اہلِ کشمیر) اور قوت والوں کا سرپرست ہے۔ حکیم صاحب نے روس، اسرائیل اور جاپان کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالی ہے۔

جوہنس برگ اور کیپ ٹاؤن کے تذکرے میں مسلمانوں کی دینی سرگرمیوں اور اداروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض خاص شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا۔

یہ تنقید و تبصرہ نہیں، محض ایک رننگ کمنٹری ہے اور وہ بھی بیچ بیچ میں ٹوٹتی ہوئی۔

نوجوان اِس دلچسپ کتاب کو ضرور پڑھیں۔

آؤ، صحت کی فکر کریں | پیش کش ہمدرد۔ ناشر: ہمدرد۔ اس اردو کتابچے میں صرف صحت کے متعلق وہ ہدایات چھوٹے چھوٹے فقروں کی شکل میں دی گئی ہیں جو ۱۔ بچوں ۲۔ نوجوانوں ۳۔ ادھیڑ عمر کے اصحاب اور ۴۔ بوڑھوں کے لیے الگ الگ مرتب کی گئی ہیں۔

انقلابی کتاب | جناب طاہر رسول قادری ۔ باہتمام ادارہ معارف اسلامی کراچی۔ ناشر: عبدالحفیظ احمد۔ اچھا سفید کاغذ، نیلا دبیز ورق۔ صفحات: ۱۴۷ قیمت: ۲۱/- روپے۔

طاہر رسول قادری ہمارے دیرینہ رفیق تھے اور کئی سال اچھرہ میں رہے۔ اس وقت ان کی صلاحیتیں کسی پہاڑ میں مدفون سونے کی طرح تھیں۔ اب جو انھوں نے اپنی کان کنی کی تو کیا شاندار نتائج کاوش ہمارے سامنے رکھے۔ ۵۲ قرآنی دروس پر پہلے تبصرہ ہو چکا ہے، حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے انقلاب پر بات ہونی چاہیے تھی، جو اس کتاب کا مقدمہ تھی۔

دراصل اس کتاب (حصہ اول دروس قرآن) میں ایسی اُصولی باتوں کا ذکر ہے جن کو سمجھ لینے کے بعد قرآن فہمی آسان ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن انقلابی کتاب ہے، قرآن ذریعہ نجات ہے، قرآن کا بیان تقریری ہے، قرآن کا موضوع انسان ہے، قرآن کا نزول تدریجی ہے، پہلی وحی، آخری وحی، جمع قرآن (دو مراحل) کتابتِ قرآن، اسبابِ نزول، مکی آیات وسورتیں، مدنی آیات وسورتیں، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، اُردو کی مشہور تصانیف، قرآنی اصطلاحات (مثلاً برزخ، فلاح، خسران، مشیت وغیرہ)۔

قرآن کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر پھر بھی کام میں کسر ہے اور لوگ اسے پورا کرتے رہیں گے۔ اس سلسلے میں ایک اچھا حصہ طاہر رسول قادری نے ادا کیا ہے۔ خدا جزا دے۔ آمین۔

ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ | مدیرانِ ترتیب: مُسلم سجاد، سلیم منصور۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔ بلاک ۱۹، مرکز الف ۷، اسلام آباد۔ نفیس کاغذ پر خوشنما طباعت۔ ۲۳۶ صفحات

حقیقت یہ ہے کہ پرکار کی نوک اگر اپنے مرکزی نقطے سے ہٹ جائے اور بار بار اِدھر سے اُدھر ہوتی رہے تو دائرہ کبھی نہ بنے گا۔ اسی طرح جب کوئی قوم یا حکومت

اپنے فکری مرکز سے ہٹ جاتی ہے تو پھر اس کے سارے کام خراب ہوتے ہیں اور یہ ہر طرف تخریب کام کرنے لگتی ہے۔ ہمارے نو خیز ملک کی ریاست اپنے فکری یا ایمانی یا مقصدی مرکز کبھی پا نہ سکی۔ نتیجہ یہ کہ کوئی بھی دائرۂ زندگی درست نہیں بن سکا۔ ہر طرف خلل ہے۔

ہم نے نام لیا تھا وحدتِ ملّت کا، سو وہ غارت ہوئی، ہم نے نام لیا تھا اسلام کا، سو غبار بن کے اُڑ گیا۔ ہم نے نام لیا تھا اُردو کا تو اُسے نہ مُلکی سطح پر جگہ ملی نہ صوبائی یا علاقائی سطح پر، بلکہ اس یتیم کی سرپرستی کے لیے کچھ ادارے ترجمہ کے، لغت سازی اور کچھ نفاذِ اُردو کے خواب دیکھنے کے بنا دیئے گئے۔ جہاں اُردو کبھی کبھی کاسۂ گدائی لے کے پھیرا لگاتی ہے۔ کہیں سے کوئی لفظ، کہیں سے کوئی قرارداد، کہیں سے کچھ تراجم، کہیں سے کسی زیرِ ترتیب لغت کے کچھ ردّی صفحات اس کے کاسہ میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ باقی ہر جگہ انگریزی زبان ڈنڈا لیے کھڑی ہے، خبردار جو ادھر قدم رکھا۔ جہاں انگریزی کا زور کم ہے، وہاں مقامی علاقائی زبان کی فوج صف بستہ ہے۔ بہ حشر کیا ہے، ہم نے اپنی قومی اُمنگوں کا، اور ایسے تلخ اور زہریلے نتائج ہر طرف پھیلے ہوئے دیکھیے اور دیکھتے رہ جائیے۔

پیشِ نظر کتاب پر نظر پڑتے ہی یہ دردمندانہ الفاظ میرے قلم سے ادا ہو گئے۔ ورنہ کتاب بہت سنجیدہ ہے اور خوب جانچ تول کر اور حوالوں اور دلائل سے آراستہ کر کے لائی گئی کہ بطور ذریعۂ تعلیم اُردو زبان کی کیا حیثیت ہوتی چاہیے اور کیا بنا دی گئی ہے۔

دراصل یہ ایک سیمینار کے مقالات ہیں جن کا مرکزی موضوع "پاکستان میں ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ" ہے۔ اس موضوع کے تحت اپنے اپنے پسندیدہ عنوانات پر مختلف حضرات نے مقالات لکھے ہیں۔ کلیدی خطاب پروفیسر خورشید احمد صاحب کا ہے جنہوں نے اپنی قائم کردہ روایت کے مطابق بڑا جامع جائزہ لیا ہے۔

بہرحال ہماری رائے میں اُردو زبان کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس قوم کو خود اپنا

فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ ایک قوم ہے! آزاد قوم ہے، بھلے بُرے کو جاننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ صاف تر لفظوں میں کہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ "اسلام، پاکستان اور اُردو" یہ تینوں لفظ جُڑتے ہیں تو ہمارا مطلوبہ مستقبل وجود پا سکتا ہے۔ ورنہ حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں گی۔ اور ہمیشہ ایک بحران سے نکل کر ہم دوسرے بحران کا شکار ہوتے رہیں گے۔

نماز مؤلف و ناشر: مولانا سید محمد گوہر شاہ نقشبندی۔ ترجمان دارالعلوم اسلامیہ، چارسدہ ضلع پشاور۔ اِس مختصر کتابچے میں نماز کے کلمات، تسبیحوں، درود اور دعاؤں اور قرآن مجید کی آخری دس سورتوں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ (فی سبیل اللہ)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

فروری سنہ ۹۰

جاری کردہ: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

اشاعت فروری ۹۰ء

رُوداد اجتماعِ عام

- اِفتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسۂ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد
امیر جماعت اسلامی

اعلامیہ

رپورٹ جماعت اسلامی پاکستان
۸۳ء ـــ ۸۹ء

دیگر تقاریر:

- دروس قرآن و حدیث
- ایمان اور دعوت و جہاد
- رُحماءُ بینہم
- پاکستان میں جماعت کا کردار
- خواتین کا کردار
- نوجوانوں کا کردار
- ہم کیا معاشی تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں؟
- بین الاقوامی مندوبین

مقررین

- مولانا جان محمد عباسی
- پروفیسر غفور احمد
- چودھری رحمت الٰہی
- پروفیسر خورشید احمد
- خرم مراد
- مولانا گوہر رحمٰن
- مولانا فتح محمد
- مولانا عبدالحق
- حافظ محمد ادریس
- لیاقت بلوچ
- سید منور حسن

ٹائیٹل دیدہ زیب

کتابت: کمپیوٹرائزڈ

ضخامت: غیر معمولی

قیمت:

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔ اردو بازار لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۸ ـــ ۶۸۶۳۶ ○ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۳